الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

دوسروں کو اپنی مصیبت کا ذمہ دار ٹھہرانے سے
نفرت اور مایوسی کا ذہن ابھرتا ہے ——
اور اپنے کو ذمہ دار ٹھہرانے سے عمل کرنے کا

دسمبر ۱۹۸۲ □ قیمت فی پرچہ ۔ تین روپے □ شمارہ ۷۳

اسلامی مرکز کا ترجمان

الرسالہ

دسمبر ۱۹۸۲

شمارہ ۷۳

جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۱۱۰۰۰۶ (انڈیا)

ضروری گزارش

پوسٹیج میں غیر معمولی اضافہ کی وجہ سے وی پی کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ ایسی حالت میں ایک غیر ضروری نقصان سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ بذریعہ وی پی روانگی کو کم کیا جائے۔ جو لوگ پانچ سے لے کر دس پرچوں تک کی ایجنسی لئے ہوئے ہیں ان سے ہماری گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کر کے ادارہ کے ساتھ تعاون فرمائیں۔

۱۔ ایک سال یا اس سے کم مدت کی رقم پیشگی روانہ فرمائیں تاکہ الرسالہ ان کے نام سادہ ڈاک سے بھیجا جاسکے۔

۲۔ ہم کو اجازت دیں کہ دو مہینے کا الرسالہ سادہ ڈاک سے بھیجنے کے بعد ہر تیسرے ماہ کا پرچہ وی پی سے اس طرح بھیجا جائے کہ اس میں تینوں مہینے کی رقم شامل کر کے یکجا طور پر وی پی کر دی جائے۔

منیجر ماہنامہ الرسالہ

زر تعاون سالانہ ۳۶ روپیہ • خصوصی تعاون سالانہ دو سو روپے • بیرونی ممالک سے ۲۰ ڈالر امریکی

مصلحین کو برداشت نہ کرنا

یہود کے اندر جب بگاڑ آیا تو ان کے درمیان خدا نے دینی مصلحین اٹھائے جو ان کی غلطیوں پر ٹوکتے تھے اور ان کو صحیح راستہ دکھاتے تھے مگر یہود نے ان مصلحین کو رد کر دیا۔ انھوں نے ان کو ہر قسم کی تکلیفیں پہنچائیں۔ حتی کہ انھیں قتل کر ڈالا۔ قرآن میں یہود کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ــــــ جو لوگ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق ہلاک کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ہلاک کرتے ہیں جو انھیں انصاف کا حکم دیتے ہیں، تم انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا (آل عمران ۲۲-۲۱)

یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انھوں نے یسعیاہ نبی کا قتل کیا۔ یرمیاہ نبی کا قتل کیا۔ زکریا نبی کا قتل کیا۔ یحییٰ نبی کا قتل کیا۔ عیسیٰ مسیح کو بھی (اپنے خیال کی حد تک) قتل کر ڈالا۔ ایک حدیث ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے ان الفاظ میں نقل کی ہے:

عن ابی عبیدۃ بن الجراح قال قلت: یا رسول اللہ ای الناس اشد عذابا یوم القیامۃ۔ قال رجل قتل نبیا او من امر بالمعروف ونھی عن المنکر۔ ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابا عبیدۃ قتلت بنو اسرائیل ثلاثۃ واربعین نبیا من اول النھار فی ساعۃ واحدۃ۔ فقام مائۃ وسبعون رجلا من بنی اسرائیل فامروا من قتلھم بالمعروف ونھوھم عن المنکر فقتلوھم جمیعا من آخر النھار من ذلک الیوم (تفسیر ابن کثیر)

ابوعبیدہ بن جراح کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، قیامت میں سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہوگا۔ آپ نے فرمایا وہ شخص جس نے نبی کو قتل کیا یا اس کو جو بھلائی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے روکتا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوعبیدہ یہود نے ایک صبح کو ایک وقت میں ۴۳ نبیوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد ایک سو ستر آدمی بنی اسرائیل کے اٹھے اور انھوں نے قتل کرنے والوں کو بھلائی کا حکم دیا اور برائی سے روکنا شروع کیا تو انھوں نے ان سب کو اسی دن شام تک قتل کر ڈالا

جو لوگ اصلاح کا مقصد لے کر اٹھتے ہیں ان کو قوم کے بگاڑ پر تنقید کرنی ہوتی ہے۔ یہ تنقید لوگوں کے لئے بے حد ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کی فخر اور گھمنڈ کی نفسیات کو چوٹ لگتی ہے، وہ ایسے مصلحین کے درپے ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کو بدنام کرتے ہیں۔ ان کی معاشیات کو اجاڑتے ہیں۔ اس قسم کی کارروائیوں کے بعد بھی جب ان کی زبان بند نہیں ہوتی تو وہ ان کو ہلاک کر ڈالتے ہیں۔

دلیل میں الحاد

قرآن کی سورہ نمبر ۴۱ کے پانچویں رکوع میں خدا کی ان نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو زمین و آسمان میں بکھری ہوئی ہیں ـــــ رات، دن، سورج، چاند، پانی، سبزہ، وغیرہ۔ پھر ارشاد ہوا ہے:

إن الذين يلحدون فی آياتنا لا يخفون علينا أفمن يلقى فی النار خير أم من يأتی آمنا يوم القيامة اعملوا ما شئتم إنه بما تعملون بصير (حم سجدہ ۴۰)

جو لوگ ہماری نشانیوں میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ کیا وہ شخص بہتر ہے جو آگ میں ڈالا جانے والا ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن کے ساتھ آئے گا۔ جو جی چاہے کرو، خدا تمھارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

الحاد کے معنی ہیں انحراف۔ بات سے اصل معنی لینے کے بجائے اس کو کسی اور طرف پھیر دینا (قال ابن عباس: الالحاد وضع الکلام علیٰ غیر مواضعه، تفسیر ابن کثیر)

خدا کا رسول اپنے پیغام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے زمین و آسمان کی نشانیاں پیش کرتا تو منکرین کہتے کہ یہ نشانیاں تو فلاں فلاں طبیعی اسباب کے تحت ظاہر ہو رہی ہیں، ان کا تمھارے پیغام کی صداقت سے کیا تعلق۔ ایک واقعہ جس سے حق کی تصدیق نکل رہی تھی اس کو کسی اور طرف پھیر کر اپنے آپ کو حق سے محروم کر لیتے۔

یہی معاملہ وہ دوسرے دلائل کے ساتھ کرتے تھے۔ خدا کا رسول ایک واضح دلیل دیتا جو عقلی طور پر پوری طرح سمجھ میں آنے والی ہو۔ مگر وہ اس کو صحیح رخ سے لینے کے بجائے الٹے رخ پر موڑ دیتے۔ وہ طرح طرح کی لفظی بحثیں نکال کر یہ ظاہر کرتے کہ یہ دلیل دلیل نہیں ہے۔ اگر وہ دلیل ہوتی تو وہ ضرور اس کو مان لیتے۔

جب بھی کوئی سچی دعوت اٹھتی ہے، وہ کھلے کھلے دلائل کی بنیاد پر اٹھتی ہے۔ اسی کے ساتھ اللہ اس کی تائید کے لئے اس کے گرد و پیش مختلف نشانیاں ظاہر کرتا ہے جو اس کے برحق ہونے کی تصدیق کر رہی ہوں۔ مگر غافل اور سرکش انسان طرح طرح کی تاویل و توجیہہ نکال کر اپنے کو مطمئن کر لیتا ہے۔ جس واقعہ میں خدا نے اس کے لئے اقرار کا سامان رکھا تھا اس سے وہ الحاد و انکار کی غذا لینے لگتا ہے۔ وہ علم و عقل کا مدعی بن کر علم و عقل کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

کیسی عجیب ہے وہ محرومی جو کامیابی کے چراغ جلا کر حاصل کی جا رہی ہو۔

خود جاننا پڑتا ہے

ٹیلر ماسٹر کو جب آپ کوٹ سینے کے لئے دیتے ہیں تو وہ آپ کے جسم کا ناپ لیتا ہے۔ ناپ لینے کا مقصد آپ کے جسم کی بناوٹ کا اندازہ کرنا ہے تاکہ کوٹ آپ کے جسم پر بالکل فٹ آجائے اور اس میں کہیں شکن یا جھول نہ ہو۔ مگر ٹیلر ماسٹر جسم کے جن چند حصوں کا ناپ لیتا ہے اتنا ہی علم ایک کامیاب کوٹ تیار کرنے کے لئے کافی نہیں۔ ایک صحیح کوٹ تیار کرنے کے لئے ٹیلر ماسٹر کو بہت سی اور باتیں بطور خود جاننی پڑتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جسم کے نشیب و فراز اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ اس کے ہر حصے کا مکمل ناپ لیا جاسکے۔ ایک ٹیلر ماسٹر جسم کے جن حصوں کا ناپ لیتا ہے، اگر اس کی واقفیت بس اتنی ہی ہو تو وہ کبھی ایک معیاری کوٹ تیار کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

یہی بات زندگی کے دوسرے معاملات کے لئے بھی صحیح ہے۔ ایک گھر چلانے کا معاملہ ہو یا دینی مشن چلانے کا۔ ملت کی تعمیر کی مہم ہو یا اسلام کی اشاعت کی، ہر ایک اسی وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب کہ اس کو ایسے افراد ہاتھ آجائیں جو بتائے بغیر باتوں کو جانیں، جو تفصیلات جانے بغیر ہر موقع پر اطمینان بخش جواب پالیں۔

جو لوگ صرف فہرست میں درج شدہ باتوں کو جانیں اور جہاں فہرست ختم ہو وہیں اپنے کام کو بھی ختم سمجھ لیں، ایسے لوگ کبھی کوئی بڑا کام نہیں کرسکتے۔ اسی طرح جب کوئی مشن چلایا جاتا ہے تو بار بار ایسی باتیں پیش آتی ہیں جن کے بارے میں پہلے سے اندازہ نہ تھا یا ان کے بارے میں پیشگی طور پر لوگوں کو خبردار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسے موقع پر ضرورت ہوتی ہے کہ لوگ بتائے بغیر باتوں کو جان لیا کریں۔ اور اگر ان کا شعور اتنا ترقی یافتہ نہیں ہے تو ذمہ داروں پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو قبول کرلیں اور اپنے آپ کو اس کے مطابق بنالیں۔ جس مشن کے افراد میں یہ صلاحیت نہ ہو وہ بار بار خود ساختہ شکایت لے کر بیٹھ جائیں گے، معاملات کی حقیقت جانے بغیر وہ بطور خود ایک رائے قائم کریں گے اور پھر روٹھ کر الگ ہوجائیں گے۔

کسی مشن کو کامیابی تک پہنچانے کے لئے بہت گہرا شعور اور بہت بڑا دل درکار ہوتا ہے۔ جن لوگوں کے اندر یہ صلاحیت نہ ہو، وہ صرف تاریخ کے کوڑا خانہ میں جگہ پائیں گے، خواہ دیواری پوسٹروں میں وہ اپنے آپ کو تاریخ ساز کیوں نہ لکھتے رہیں۔

غلطی پر غلطی

آدمی اگر اپنی غلطی نہ مانے تو وہ ہمیشہ دوسرے کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ دوسرے کو برا ظاہر کرکے اپنی برائی پر پردہ ڈال سکے۔

ایک آدمی بے روزگار تھا۔ اس کے دوست نے کہا کہ تم کوئی کاروبار کرو۔ آدمی نے کہا میرے پاس سرمایہ نہیں۔ دوست نے کہا کہ تم کسی طرح پانچ ہزار روپے فراہم کرلو تو میں تم کو پانچ ہزار روپے بطور قرض دے دوں گا۔ پھر تم دس ہزار روپے سے اپنا کام کرلینا۔ آدمی نے کہیں سے پانچ ہزار روپے حاصل کیے۔ اس کے بعد جب اس نے دوست سے وعدہ کے مطابق رقم مانگی تو اس نے عذر کر دیا۔ اس کے بعد دوست کا یہ حال ہوا کہ وہ اس آدمی کو مستقل برا کہتا رہتا۔ ہر موقع پر اسے غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا۔

دوست ایسا کیوں کرتا تھا۔ جواب یہ ہے کہ اپنے احساس جرم کو دوسرے کے اوپر ڈالنے کے لیے۔ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ میں روپیہ دینے کے لیے تو تیار تھا۔ مگر یہ آدمی اس قابل ہی نہ تھا کہ اس کو روپیہ دیا جائے۔ اس کی اپنی نالائقی نے اس کو روپیہ سے محروم رکھا نہ کہ میری کوتاہی نے۔ انسان یا تو اپنی غلطی مانے گا یا دوسرے کو غلط کہے گا۔ وہ بیک وقت دونوں سے بچ کر نہیں رہ سکتا۔

ایسا آدمی بطور خود یہ سمجھتا ہے کہ وہ ہوشیاری کر رہا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے ایک جرم کو دو جرم بنا رہا ہے۔ پہلے مرحلہ میں دوست صرف وعدہ خلافی کا مجرم تھا، اب وہ جھوٹا الزام لگانے کا بھی مجرم بن گیا۔

جب بھی آدمی سے کوئی غلطی ہو تو بہترین بات یہ ہے کہ وہ اس کا اعتراف کرے۔ غلطی کا اعتراف بات کو وہیں کا وہیں ختم کر دیتا ہے۔ مگر جب آدمی غلطی کا اعتراف نہ کرے تو لازماً ایسا ہوگا کہ وہ دوسرے کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرے گا اور اس طرح غلطی پر غلطی کرتا چلا جائے گا۔ آدمی یا تو اپنے کو غلط مان کر مطمئن ہوتا ہے یا دوسرے کو غلط ثابت کرکے۔ اگر وہ پہلا کام نہ کرے تو ضرور اس کو دوسرا کام کرنا پڑے گا۔ اور دوسرا کام یقینی طور پر اس کے لیے پہلے سے زیادہ برا ہوگا۔

غلطی کرنا بشری کمزوری ہے۔ مگر جھوٹا الزام لگانا سرکشی ہے۔ اور کمزوری کے مقابلہ میں سرکشی یقیناً زیادہ بڑا جرم ہے۔

مواقع کا استعمال

امریکہ میں ان انتہائی بڑے بڑے تاجروں کا مطالعہ کیا گیا ہے جو ترقی کے بلند ترین مقام تک پہنچے ہیں۔ ان کی غیر معمولی ترقی کا راز کیا ہے، اس سلسلے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں ــ بڑھی ہوئی محنت، کام کی اتنی دھن کہ بیوی بچے، چھٹی، تفریح، تمام چیزیں ثانوی بن جائیں، وغیرہ۔ تاہم ان کی بڑی بڑی ترقیوں میں جو چیز فیصلہ کن طور پر اہم ترین ہے وہ ایک تحقیق کرنے والے کے الفاظ (ریڈرز ڈائجسٹ مئی ۱۹۸۲) میں یہ ہے کہ ایسے لوگ مواقع کو پہچاننے کے ماہر ہوتے ہیں۔ اپنی ترقی کے کسی بھی موقع کو فوراً استعمال کرنے سے وہ کبھی نہیں چوکتے :

They are masterful opportunists, keenly alert
to any chance for personal advancement

حقیقت یہ ہے کہ بڑی ترقی مواقع کو عین وقت پر استعمال کرنے ہی کا دوسرا نام ہے۔ خواہ یہ شعوری طور پر ہو یا اتفاقی طور پر۔ آدمی خواہ کسی بھی میدان میں ہو، اس کو ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے اور جب کوئی موافق موقع سامنے آئے تو فوراً اس کو استعمال کرنا چاہئے۔ کیونکہ ایک موقع ہمیشہ صرف ایک بار آتا ہے، وہ دوسری بار کبھی نہیں آتا۔ جس نے کسی موقع کو پہلی بار کھو دیا اس نے گویا ہمیشہ کے لئے اسے کھو دیا۔

نئے مواقع بالکل چھپے ہوئے نہیں ہوتے، ان کا اندازہ بہت سے لوگوں کو ہو جاتا ہے۔ مگر آگے بڑھ کر ان کو استعمال کرنے والے ہمیشہ بہت کم ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ نئے مواقع کو استعمال کرنے میں ہمیشہ کچھ خطرہ کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ ایک مستقبل کی چیز ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ امید اور اندیشہ دونوں ہی لگے ہوتے ہیں، جو لوگ کاہلی کرتے ہیں یا سوچ بچار میں رہتے ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ مستعدی دکھاتے ہیں اور خطرہ مول لے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ وہ کامیاب رہتے ہیں۔

امکانات کو پہچانئے، کوئی موقع پیدا ہو تو فوراً اس کو استعمال کیجئے، آپ یقیناً بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کریں گے۔

کمزوری نعمت ثابت ہوئی

گاندھی جی اپنی کتاب تلاش حق (My Experiments with Truth) میں لکھتے ہیں کہ وہ پیدائشی طور پر شرمیلے تھے۔ ان کا یہ مزاج بہت عرصہ تک باقی رہا۔ جب وہ تعلیم کے لئے لندن میں تھے تو وہ ایک ویجیٹیرین سوسائٹی کے ممبر بن گئے۔ ایک بار انھیں سوسائٹی کی میٹنگ میں تقریر کے لئے کہا گیا۔ وہ کھڑے ہوئے۔ مگر کچھ بول نہ سکے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اپنے خیالات کو کس طرح ظاہر کریں۔ بالآخر وہ شکریہ کے چند کلمات کہہ کر بیٹھ گئے۔ ایک اور موقع پر ان کو مدعو کیا گیا کہ وہ سبزی خوری کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کریں۔ اس بار انھوں نے اپنے خیالات ایک کاغذ پر لکھ لئے۔ مگر جب وہ کھڑے ہوئے تو وہ اپنا لکھا ہوا بھی نہ پڑھ سکے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر ایک شخص نے مدد کی اور ان کی لکھی ہوئی تحریر کو پڑھ کر سنایا۔

گاندھی جی نے وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد بمبئی میں پریکٹس شروع کی۔ مگر یہاں بھی ان کا شرمیلا پن ان کے لئے رکاوٹ بن گیا۔ پہلا کیس لے کر جب وہ جج کے سامنے کھڑے ہوئے تو حال یہ ہوا کہ ان کا دل بیٹھنے لگا اور وہ کچھ بول نہ سکے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے موکل سے کہا کہ میں تمھارے کیس کی وکالت نہیں کر سکتا۔ تم کوئی دوسرا وکیل تلاش کر لو۔

بظاہر یہ سب کمی کی باتیں ہیں۔ مگر گاندھی جی لکھتے ہیں کہ یہ کمیاں بعد کو میرے لئے بہت بڑی نعمت (Advantage) ثابت ہوئیں۔ اس سلسلے میں ان کے الفاظ یہ ہیں :

> My hesitancy in speach, which was once an annoyance is now a pleasure, Its greatest benefit has been that it has taught me the economy of words. I have naturally formed the habit of restraining my thoughts. And I can now give myself a certificate that a thoughtless word hardly ever escaped my tongue or pen.

بولنے میں میری یہ ہچکچاہٹ جو کبھی مجھے تکلیف دہ معلوم ہوتی تھی، اب وہ میرے لئے ایک مسرت ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس نے مجھے مختصر الفاظ میں بولنا سکھایا۔ میرے اندر فطری طور پر یہ عادت پیدا ہو گئی کہ میں اپنے خیالات پر قابو رکھوں۔ اب میں اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مشکل ہی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی لایعنی لفظ میری زبان یا قلم سے نکلے۔

گاندھی جی اپنی اس خصوصیت میں مشہور رہیں کہ وہ بہت سوچی سمجھی بات بولتے تھے اور سادہ اور مختصر الفاظ میں کلام کرتے تھے۔ مگر یہ امتیازی خصوصیت ان کو صرف ایک غیر امتیازی خصوصیت کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ وہ یہ کہ وہ اپنے بڑھے ہوئے شرمیلے پن کی وجہ سے ابتداءً لوگوں کے سامنے بول ہی نہیں پاتے تھے۔

ہیروؤں کی نرسری

پروفیسر ہٹی نے عرب مسلمانوں کی غیر معمولی ترقیات کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے مختلف شعبوں میں جو کارنامے انجام دئے، تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص کی فوجی مہمیں جو عراق، ایران، شام اور مصر میں جاری ہوئیں وہ بلاشبہ تاریخ کی انتہائی کامیاب مہموں میں سے تھیں۔ ان کی ان جنگی مہموں کا مقابلہ بالکل بجا طور پر نپولین، ہنی بال اور سکندر کی جنگی مہموں سے کیا جاسکتا ہے۔

اس طرح کی مثالیں بیان کرتے ہوئے ان کے قلم سے یہ الفاظ نکلے ہیں کہ پیغمبر کی وفات کے بعد عرب کی بنجر زمین گویا جادو کے زور سے ہیروؤں کی نرسری میں تبدیل ہوگئی۔ ایسے ہیرو جن کے مثل کہیں اور پانا بے حد مشکل ہے۔ تعداد کے اعتبار سے بھی اور خصوصیت کے اعتبار سے بھی:

> After the death of the Prophet sterile Arabia seems to have been converted as if by magic into a nursery of heroes the like of whom both in number and quality is hard to find anywhere.
> P.K. Hitti, History of the Arabs (1979) P. 142

یہی کسی تحریک کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔ وہی تحریک عظیم تحریک ہے جس نے اپنے عمل کے دوران عظیم انسان پیدا کئے ہوں۔ کیونکہ عظیم انسان ہی در اصل کوئی عظیم واقعہ ظہور میں لاتے ہیں نہ کہ شاعری اور خطابت کے ہنگامے۔

اسلامی انقلاب ایسی تحریک کے ذریعہ وجود میں آتا ہے جو اپنے گرد جمع ہونے والے افراد میں اعلیٰ حوصلہ اور اونچا کردار پیدا کرے۔ جس کے نتیجہ میں انسانی معاشرہ ہیروؤں کی نرسری کی مانند بن گیا ہو۔ اس کے برعکس جن لوگوں کی مثال ایسی ہو جیسے جھاڑ جھنکاڑ کا جنگل، وہ زمین کو صرف فساد سے بھریں گے، ایسے لوگ کبھی اسلامی انقلاب برپا کرنے والے نہیں بن سکتے۔

جواب کا طریقہ

ایک آدمی نے ایک بزرگ کی تعریف کی۔ اس نے کہا کہ وہ ایسے پہنچے ہوئے بزرگ تھے کہ وہ نماز کی حالت میں مرے۔ گویا ان کی موت خدا کی گود میں ہوئی۔ سننے والا کچھ دیر چپ رہا، اس کے بعد بولا: خدا کے رسول کی وفات ہوئی تو وہ اپنی اہلیہ کی گود میں تھے اور بزرگ کی وفات خدا کی گود میں ہوئی۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ بزرگ خدا کے رسول سے بھی زیادہ پہنچے ہوئے تھے۔ یہ جواب اتنا وزنی تھا کہ اس کو سن کر آدمی خاموش ہوگیا۔

سننے والے نے مذکورہ بزرگ کے حالات پڑھے تھے۔ اس میں اس کو کہیں یہ بات نہیں ملی تھی کہ بزرگ کی موت نماز کی حالت میں ہوئی۔ تاہم اس نے سوچا کہ اگر میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات کہاں لکھی ہے یا کس ذریعہ سے ثابت ہوتی ہے تو خواہ مخواہ کی بحث شروع ہو جائے گی اور وہ کہیں ختم نہ ہوگی۔ چنانچہ اس نے اس سوال کو نہیں چھیڑا۔ اس نے ایسی بات کہی جو نہ صرف یقینی تھی بلکہ اپنے عمومی پہلو کی بنا پر وہ آدمی کو چپ کر دینے والی تھی۔ چنانچہ لمبی بحث کی نوبت نہیں آئی اور ایک ہی جملہ سارے سوال کا جواب بن گیا۔

یہی ایسے معاملات میں جواب دینے کا صحیح طریقہ ہے۔ اگر آدمی ایسا کرے کہ وہ مخاطب کی بات سنتے ہی فوراً اس سے الجھ نہ جائے بلکہ تھم کر سوچے کہ اس کا صحیح اور مؤثر جواب کیا ہو سکتا ہے تو یقینی طور پر وہ ہر سوال کا ایسا جواب پالے گا جو اس قدر فیصلہ کن ہو کہ لمبی بحث و تکرار کی نوبت نہ آئے اور صرف ایک جملہ پورے سوال کے لئے فیصلہ کن بن جائے۔

سب سے برا جواب وہ ہے جس میں سوال کرنے والا اور جواب دینے والا دونوں الجھ جائیں اور بالآخر اس طرح الگ ہوں کہ دونوں میں سے کوئی ہار ماننے کے لئے تیار نہ ہوا تھا۔ اور سب سے اچھا جواب وہ ہے جب کہ جواب دینے والا ایسا سوچا سمجھا ہوا وزنی جواب دے جس کے بعد سوال کرنے والے کی سمجھ ہی میں نہ آئے کہ اس کے آگے وہ کیا کہہ سکتا ہے۔

برف کی طرح

سورۃ العصر کی تفسیر کے تحت امام رازی نے لکھا ہے:

من بعض السلف، فهمت معنى السورة من بائع الثلج۔ كان يصيح ويقول: ارحموا من يذوب رأس ماله، ارحموا من يذوب رأس ماله۔ فقلت هذا معنى ان الانسان لفي خسر۔ يمر به العصر فيمضي عمره ولا يكتسب فاذا هو خاسر

بعض سلف سے منقول ہے کہ میں نے سورہ عصر کا مفہوم ایک برف بیچنے والے سے سمجھا جو آواز لگا رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اس آدمی پر رحم کرو جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے۔ اس آدمی پر رحم کرو جس کا سرمایہ پگھلا جا رہا ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا یہ ہے مطلب انسان کے گھاٹے میں رہنے کا۔ آدمی پر زمانہ گزرتا ہے، اسی کے ساتھ اس کی عمر بھی گزر رہی ہے۔ اب جو شخص کسب نہیں کرتا وہ گھاٹے میں ہے

برف ایک ایسا اثاثہ ہے جو ہر وقت پگھلتا رہتا ہے، وہ پگھل پگھل کر کم ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ برف کے دکان دار کی کامیابی یہ ہے کہ وہ برف کے پگھلنے سے پہلے اس کو بیچ ڈالے اور اپنے اثاثہ کو رقم کی صورت میں تبدیل کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو بالآخر اس کا برف ختم ہو جائے گا اور اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ برف کے دکان دار کو کامیابی تو اپنی کوششوں سے حاصل ہوگی۔ مگر ناکامی کے لئے اس کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ناکامی تو اپنے آپ اس کی طرف دوڑی چلی آرہی ہے۔

یہی معاملہ انسان کی زندگی کا بھی ہے۔ انسان کی عمر محدود ہے۔ وہ ہر روز گھٹتی رہتی ہے۔ آج اگر آپ کی عمر کے سو دن باقی تھے تو کل ۹۹ دن باقی رہیں گے۔ پرسوں ۹۸ دن، نرسوں ۹۷ دن۔ اس طرح کم ہوتے ہوتے سارے دن ختم ہو جائیں گے۔ ایسی حالت میں کامیاب وہ ہے جو مستعدی دکھائے اور اپنی عمر کو وقت پورا ہونے سے پہلے استعمال کرلے۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو عمر کی مدت گھٹتے گھٹتے ایک روز ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ اس دنیا سے چلا جائے گا کہ اس نے اپنی زندگی سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا تھا۔

مردار سے زیادہ متعفن

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا تقوم الساعۃ حتی یبعث اللہ امراء کذبۃ ووزراء فجرۃ واعوانا خونۃ وعرفاء ظلمۃ وقراء فسقۃ سیماھم سیمی الرھبان وقلوبھم انتن من الجیفۃ اھوائھم مختلفۃ فیتیح اللہ لھم فتنۃ غبراء مظلمۃ فیتھاوکون فیھا

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک وہ دور نہ آجائے جس میں جھوٹے حکمراں، بُرے وزراء، بددیانت ملازمین حکومت، ظالم قائدین ظہور میں نہ آجائیں۔ اس زمانہ میں ایسے فاسق علماء ہوں گے جن کا ظاہر پارساؤں جیسا ہوگا اور ان کے دل مردار سے زیادہ متعفن ہوں گے۔ ان کی خواہشات ایک دوسرے سے الگ ہوں گی۔ اس زمانہ میں اللہ ایک ایسا اندھا فتنہ برپا کریگا جس میں لوگ حیران و سرگرداں ہوکر رہ جائیں گے۔

اس حدیث میں جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ کافروں اور مشرکوں کی نہیں ہے۔ کافر اور مشرک تو ہمیشہ ہی ایسے ہوتے ہیں۔ یہ خود مسلمانوں کے بگاڑ کے زمانہ کی حالت ہے۔ یہ ان لوگوں کی تصویر ہے جو اپنے کو مسلمان کہیں گے اور اس پر فخر کریں گے کہ وہ افضل الانبیاء کے امتی ہیں۔

یہ زمانہ کب آئے گا۔ اس کی ایک قطعی اور کھلی ہوئی پہچان ہے۔ اور وہ ہے —— لوگوں کی خواہشات کا ایک دوسرے سے مختلف ہوجانا۔ اور اس کے نتیجہ میں لوگوں کے اندر باہمی ٹکراؤ کا پیدا ہونا۔ غور سے دیکھئے تو یہ علامت آج پوری طرح ظاہر ہوچکی ہے۔ آج مسلم افراد، مسلم اداروں اور مسلم قوموں کا سب سے نمایاں وصف باہمی اختلاف ہے۔ شخصی آرزوئیں اور گروہی مصلحتیں لوگوں کے اوپر اتنا چھاچکی ہیں کہ ہر ایک اپنے خول میں بند ہے، کوئی دوسرے سے ملنے کے لئے تیار نہیں۔ علماء کے لئے دین ایک سستی تجارت بن چکا ہے۔ ان کے سینہ میں ذاتی مفاد اور ذاتی نمائش کے سوا اور کچھ نہیں۔ تاہم وہ پارسائی کا جھوٹا لبادہ اپنے اوپر ڈالے ہوئے ہیں تاکہ لوگوں کی نظر میں مقدس بنے رہیں، تاکہ وہ دین کے نام پر عوام کا استحصال کرسکیں۔

جب امت پر یہ وقت آتا ہے تو ہر ایک اپنی خواہش کے مطابق دین کی تشریح کرنے لگتا ہے۔ فکری اختلافات بے پناہ حد تک بڑھ جاتے ہیں۔ حق، اپنی تمام تابانیوں کے باوجود، انسانی آوازوں میں گڈمڈ ہوکر رہ جاتا ہے۔

ایک سفر

لندن میں ایک علمی ادارہ ہے جس کا نام ہے مسلم انسٹی ٹیوٹ۔ اس ادارہ کے تحت لندن میں حج کے موضوع پر ایک بین اقوامی سمینار (۴ تا ۷ اگست ۱۹۸۲) ہوا۔ اس سمینار میں شرکت کے لئے مجھے بھی دعوت دی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں لندن کا سفر ہوا۔ اگرچہ مجھے ایک مہینہ کا ویزا ملا تھا اور وہاں بہت سے دوستوں نیز اسلامی اداروں کی طرف سے تقاضا ہوا کہ میں زیادہ مدت تک قیام کروں۔ مگر بعض ضرورتوں کی وجہ سے مجھے ایک ہفتہ میں واپس آنا پڑا۔

اگست ۱۹۸۲ء کی پہلی تاریخ تھی۔ برٹش ایرویز کا ہوائی جہاز مجھ کو لے کر دہلی سے بارہ ہزار کیلو میٹر دور لندن کی طرف جا رہا تھا۔ زمین کی اونچ نیچ سے بے نیاز ہو کر وہ ایک ہزار کیلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ رہا تھا۔ میں نے سوچا "یہ خدا کا کیسا عجیب احسان ہے کہ اس نے انسان کے قابو میں ایسی سواری دے دی جس کو رواں کرنے کے لئے دریاؤں پر پل بنانے کی ضرورت نہیں۔ جس کی راہ میں پہاڑ اور سمندر حائل نہیں ہوتے۔ آبادیوں کی ناہمواریاں جس کا راستہ نہیں روکتیں۔ وہ زمین کا سہارا لئے بغیر ہوا کے دوش پر ادھر سے اُدھر اڑتا ہے اور تمام سواریوں سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ آدمی کو اس کی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔

تاہم عام ذوق کے خلاف میرے لئے ہوائی جہاز کوئی پسندیدہ سواری نہیں۔ جب بھی میں ہوائی جہاز میں سفر کرتا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں اڑن جیل میں بند ہو گیا ہوں۔ میری طبیعت میں آزادی پسندی بہت زیادہ ہے۔ ایسی کوئی زندگی مجھے عذاب معلوم ہوتی ہے جس میں میرے اوپر خارجی پابندیاں لگی ہوئی ہوں۔ خواہ اس پابندی کا مقام کوئی شاندار محل ہی کیوں نہ ہو۔ ہوائی جہاز کی اس ایک خصوصیت کے سوا کہ وہ تیزی سے سفر طے کرا دیتا ہے، باقی ہر چیز میرے ذوق کے خلاف ہے۔ آپ کار میں چل رہے ہوں تو اس کو کسی بھی جگہ روک کر باہر آسکتے ہیں۔ ٹرین میں یہ نفسیاتی اطمینان ہوتا ہے کہ ضرورت ہو تو زنجیر کھینچ کر ٹرین کو روکا جا سکتا ہے۔ مگر ہوائی جہاز کے اندر داخل ہونے کے بعد بس "زنجیر" میں بندھ جانا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود ہی اعلان کر دے کہ منزل آگئی، اب آپ باہر نکلنے کے لئے آزاد ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی ہر خوبی جھوٹی ہے، کیونکہ ہر خوبی کے ساتھ کوئی خرابی لگی ہوئی ہے۔ یہاں کا ہوائی سفر بھی جھوٹا ہے اور یہاں کا زمینی عیش بھی جھوٹا۔ لوگ جھوٹی تسکین کے حصول کے لئے اپنی ساری طاقت ضائع کر رہے ہیں۔ اور جب زندگی اپنے انجام کو پہنچتی ہے اور سچی تسکین کا وقت آتا ہے تو معلوم

ہوتا ہے کہ ان کے اندر وہ طاقت اور صلاحیت ہی نہیں کہ وہ سچی خوشی سے لطف اندوز ہو سکیں۔

ہمارا پہلا ٹھہراؤ دبئی تھا۔ یہاں ایک گھنٹہ کا موقع تھا۔ ہوائی جہاز سے اتر کر میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ واحد تاثر جو ذہن نے قبول کیا وہ یہ کہ آج کی دنیا تہذیب کی دنیا ہے۔ دبئی بظاہر ایک مسلم ملک ہے۔ مگر یہاں، دوسری ہر جگہ کی طرح، تمام چیزیں مغربی انداز میں ڈھلی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ تعمیر، لباس، سواری، فرنیچر، آرائش، غرض کوئی چیز ایسی نہیں جس پر مغربی چھاپ کا نشان نظر نہ آتا ہو۔ ایسی حالت میں احیاء اسلام کی جدوجہد کا آغاز تہذیب کے میدان میں انقلاب کی جدوجہد سے ہوگا نہ کہ سیاست کے میدان میں انقلاب کی دوڑ لگانے سے۔ سیاست زندگی کا آخری نقطہ ہے اور آخری نقطہ پر آپ اپنے سفر کا پہلا قدم نہیں رکھ سکتے۔

ہمارا دوسرا ٹھہراؤ کویت تھا۔ یہاں جہاز تقریباً ایک گھنٹہ رکا۔ دبئی سے کویت کی پرواز تمام کی تمام سمندر (خلیج عرب) کے اوپر سے ہوتی ہے۔ ہمارا جہاز ۳۵ ہزار فٹ کی بلندی پر اڑ رہا تھا۔ نیچے سمندر کی سطح پر جگہ جگہ سمندری جہاز چل رہے تھے۔ بظاہر دونوں بالکل دو قسم کی سواریاں ہیں۔ مگر حقیقۃً دونوں ایک ہیں۔ دونوں کے دونوں تیر رہے ہیں۔ ایک ہوا کی سطح پر تیر رہا ہے اور دوسرا سمندر کی سطح پر۔

ہوائی جہاز میں مسافروں کی رہنمائی کے لئے جگہ جگہ اندراجات ہیں۔ یہ اندراجات انگریزی کے ساتھ عربی میں بھی نظر آئے۔ مثلاً انگریزی زبان میں لکھا ہوا ہے No Smoking تو عربی زبان میں اس کے ساتھ ممنوع التدخین بھی درج ہے۔ انگریزی میں (Please Lock Door) درج ہے تو عربی میں الرجاء قفل الباب ہے۔ انگریزی میں (Waste Disposal) ہے تو عربی میں رمی الفضلات۔ اسی طرح کویت میں مسافروں کے درمیان روزانہ اخبارات تقسیم ہوئے تو انگریزی گارجین کے ساتھ السیاسۃ (کویت کا عربی اخبار) بھی تقسیم کیا گیا۔ یہ گویا عرب دنیا کی اس اہمیت کا اعتراف تھا جو تیل کی دولت کے نتیجہ میں اسے حاصل ہوئی ہے۔

دہلی سے کویت تک جہاز کی بہت سی سیٹیں خالی تھیں۔ کویت میں کثیر تعداد میں عرب مرد اور عرب عورتیں جہاز میں سوار ہوئیں اور تمام سیٹیں بھر گئیں۔ یہ سارے لوگ لندن جا رہے تھے۔ میرے قریب کی سیٹ پر ایک غیر مسلم تھے جو لندن کے باشندہ ہیں۔ ان سے میں نے پوچھا "عرب مرد اور عورتیں اتنی بڑی تعداد میں کس لئے لندن جاتے ہیں" ان کا مختصر جواب یہ تھا: خرید و فروخت اور تفریح کے لئے۔

عرب ملکوں کو جدید دنیا میں جو اہمیت حاصل ہوئی ہے وہ تیل کی قدرتی دولت کی وجہ سے ہے

نہ کہ کسی ذاتی صلاحیت کی وجہ سے۔ تیل کی دریافت بالکل "جدید" دریافت نہیں ہے۔ تیل کے چشمے قدیم زمانہ میں بھی زمین کی سطح پر جگہ جگہ بہہ پڑے تھے اور انسان ابتدائی طور پر معدنی تیل سے واقف تھا۔ مگر قدیم زمانہ میں کار اور ہوائی جہاز اور دوسری مشینی چیزیں وجود میں نہ آئی تھیں جو تیل کے ایندھن سے متحرک ہوتی ہیں۔ تیل کی اہمیت اسی وقت ہے جب کہ مشینی صنعت کا دور وجود میں آچکا ہو۔ مشینی صنعت کے بغیر تیل کی کوئی اہمیت نہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دنیا میں کس طرح ایک چیز کی اہمیت دوسری چیز کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔

ہوائی جہاز میں مسافروں کے لئے گانے اور موسیقی کا انتظام ہوتا ہے۔ مگر اس طرح نہیں کہ لاوڈ اسپیکر پر ریکارڈ بجا کر سب کا سکون برباد کیا جا رہا ہو۔ بلکہ یہ کام ایک خاموش انتظام کے تحت ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز کی طرف سے کان میں لگانے کا ایک خاص آلہ دیا جاتا ہے جس کو ہیڈسیٹ (Headset) کہتے ہیں۔ اس کا ایک حصہ ڈاکٹروں کے اسٹتھ اسکوپ کی طرح کان میں لگا کر دوسرا حصہ کرسی کے ہتھے میں بنے ہوئے خانہ میں جوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد فوراً ہی گانے اور موسیقی کی آواز کان میں آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ ہوتا ہے کہ جو شخص سننا چاہتا ہے وہی سنتا ہے اور جو نہیں سننا چاہتا اس کے کان اس طرح اس سے محفوظ رہتے ہیں گویا یہاں گانے اور موسیقی کا کوئی وجود ہی نہیں۔ پھر یہ واقعہ ہوا کہ ایک ایر ہوسٹس کو مجھے ایک ہوائی ہدایت کی طرف متوجہ کرنا تھا جس کی، اس کے خیال کے مطابق، میں "خلاف ورزی" کر رہا تھا۔ وہ مجھ سے مخاطب ہوئی تو اس کا پہلا جملہ یہ تھا : (Excuse me please) یعنی یہ کہنے کے لئے مجھے معاف کیجئے . . . .

یہ دو مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ جدید تہذیب نے کس قسم کے آداب کو دنیا میں رواج دیا ہے۔ یہ آداب دو متعین اصولوں پر قائم ہیں : اپنی ذات کی تکمیل، مگر اس طرح کہ دوسرے کی ذات کو کوئی گزند نہ پہنچے۔

دہلی سے لندن کا سفر ۱۰ گھنٹے کا تھا۔ دہلی سے ہم صبح ۷ بجے روانہ ہوئے تھے۔ گویا جب ہم لندن پہنچے تو ہندستانی وقت کے لحاظ سے شام کے ۷ بج چکے تھے۔ دہلی سے میں فجر کی نماز پڑھ کر روانہ ہوا تھا۔ اس لحاظ سے لندن میں پہنچتے ہی مجھ پر مغرب کا وقت آجانا چاہیے تھا۔ مگر میں لندن میں پہنچا تو غروب آفتاب میں ابھی تقریباً پانچ گھنٹے باقی تھے۔ لندن کا وقت، ہندستان کے لحاظ سے تقریباً پانچ گھنٹے پیچھے ہے۔ چنانچہ لندن پہنچ کر میں نے اطمینان کے ساتھ عصر کی نماز ادا کی۔ اور پہلی اگست کو وہاں مغرب کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ دہلی والوں کی گھڑی میں رات کا ایک بج رہا تھا۔

کامن ویلتھ کے باشندوں کے لئے باہمی سفر میں پیشگی ویزا لینا ضروری نہیں۔ ان کا ویزا (انٹری سرٹیفکٹ) مقام پر پہنچ کر ہوائی اڈہ پر بن جاتا ہے۔ ہوائی جہاز سے باہر آنے کے بعد سب سے پہلے میں متعلقہ کاونٹر پر پہنچا۔ وہاں ایک انگریز نوجوان تھا۔ اس نے میرا پاسپورٹ اور لندن کے میزبان کی طرف سے میرے نام دعوت نامہ دیکھا۔ اس کے بعد پوچھا کیا انگریزی میں بول سکتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ پھر اس نے کچھ مختصر سوال کئے اور چند منٹ میں ضروری اندراجات کر کے پاسپورٹ اور کاغذات میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا "شکریہ"

اس کے بعد دوسرا کام یہ تھا کہ اپنا وہ سامان لگیج سے حاصل کروں جس کو میں نے دہلی میں برٹش ایرویز کے حوالے کیا تھا۔ بین اقوامی ہوائی اڈوں پر یہ قاعدہ ہے کہ سامان ہوائی جہاز سے اتار کر ایک خاص طرح کی پٹی پر رکھ دیا جاتا ہے جو گھوم گھوم کر لوگوں کے سامنے آتی رہتی ہے۔ مسافر اس کے چاروں طرف کھڑے رہتے ہیں۔ اور اپنا اپنا سامان پہچان کر اس سے اتار لیتے ہیں۔ یہاں سیکڑوں کی تعداد میں سامان ہوتا ہے۔ ہوائی اڈہ کا کوئی آدمی وہاں نگرانی کے لئے موجود نہیں ہوتا۔ مگر کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا سامان لے کر روانہ ہو جائے۔ ہر آدمی صرف اپنا سامان اتارتا ہے اور اس کو ایک خاص طرح کی گاڑی پر رکھ کر باہر آجاتا ہے۔ میں نے بھی اپنا سامان لے لیا اور باہر نکل آیا۔

اس دیانت داری کا راز بے نیازی ہے۔ یہ تمام مسافر خوش حال ہوتے ہیں۔ ان کو کسی دوسرے کا بکس یا کسی کا بیگ چرانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ویسا ہی یا اس سے اچھا ان کے پاس پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سی اخلاقی خرابیاں غربت اور جہالت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور غربت اور جہالت کو دور کر کے انھیں بآسانی ختم کیا جا سکتا ہے۔

جدید طرز کی عمارتوں والے شہر کو دیکھ کر کوئی شخص لندن اترے تو وہاں کی سڑکوں پر چلتے ہوئے اس کا فوری احساس یہ ہوگا کہ وہ ایک ایسے شہر میں چل رہا ہے جو جدید تمدنی معیار سے پیچھے ہے۔ یہاں کے مکانات عام طور پر قدیم انداز کے ہوتے ہیں۔ جدید عمارتوں کی دنیا میں لندن قدیم عمارتوں کا شہر ہے۔

لندن کی سڑکوں کے دونوں طرف قدیم طرز کے مکانات کا منظر عام ہے۔ مگر خود سڑکوں کا حال یہ ہے کہ ان پر ہر وقت انتہائی جدید طرز کی کاروں کا سیلاب بہتا رہتا ہے۔ آدمی یہاں سفر کرتے ہوئے ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ دو طرفہ کھڑے ہوئے قدیم ماحول میں ایک جدید سفر کر رہا ہے۔ یا دوسرے درجہ کے ایک شہر میں اول درجہ کی سواری پر رواں دواں ہے۔ دوسری طرف عرب شہروں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی ماڈرن عمارتوں اور شاندار کاروں کے ساتھ یہ منظر پیش کرتے ہیں جیسے کہ انھوں نے "جدید" کو لینے کے شوق میں اپنی

"قدامت"، کو سراسر خیر باد کہہ دیا ہے۔ جب کہ لندن کا تمدنی ماحول اپنی خاموش زبان میں یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ اس نے جدید کو ضرور لیا ہے۔ مگر اس نے جدید کو اس طرح لیا ہے کہ اس کی قدامت اس سے چھوٹنے نہ پائے۔

۳ اگست کو مندوبین کا قافلہ لندن کو دیکھنے کے لئے پورے شہر میں گھمایا گیا، ایک عجیب تجربہ یہ ہوا کہ یہاں کی کئی چیزیں اس سے کم "عظیم" ہیں جتنا کہ پڑھ کر یا سن کر ہم نے سمجھ لیا تھا، مشہور بگ بین ٹاور بظاہر دیکھنے میں صرف چھوٹا بین ٹاور معلوم ہوا۔ بکنگھم پیلیس نئی دہلی کے راشٹر پتی بھون کے مقابلہ معمولی نظر آیا۔ اسی طرح یہاں کے پارلیمنٹ ہاؤس کی عمارت نئی دہلی کے پارلیمنٹ ہاؤس کی عمارت کے مقابلہ میں غیر اہم دکھائی دی۔ البتہ ہائیڈ پارک کافی بڑا تھا، اس سے بھی بہت بڑا جو تصوراتی طور ہم نے سمجھ رکھا تھا۔

انگریز اپنے ماضی کی روایات کا بے حد احترام کرتے ہیں اور ان کو باقی رکھنے میں فخر محسوس کرتے ہیں ان کا یہ مزاج ان کی قومی زندگی کا بہت بڑا اثاثہ ہے۔ قوموں کے اندر کردار پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے درمیان کوئی مشترکہ عقیدہ ہو جس کی غیر مشروط وفاداری ہر ایک کا جزو ایمان بنی ہوئی ہو۔ زندہ اسلامی معاشرہ میں خدا کا عقیدہ یہی فعل انجام دیتا ہے۔ انگریز اپنے ماضی کی روایات کو اسی مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ان کا ماضی خود اپنے تسلسل کے نتیجہ میں ان کے درمیان موجود ہے۔ اگر وہ کوئی نیا اجتماعی عقیدہ بنائیں اور ماضی کی روایات کو توڑ کر نئے عقیدہ کو اس کی جگہ رائج کرنا چاہیں تو قدیم کا تقدس توضرور ٹوٹ جائے گا مگر جدید کا تقدس قائم ہونا سخت مشتبہ رہے گا۔ اس کا زندہ نمونہ ہندستان اور پاکستان کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے جہاں یہ اندیشہ اپنی بدترین صورت میں واقعہ بن چکا ہے۔ کسی مفکر نے صحیح کہا ہے کہ زندگی میں ایک چھوٹی سی روایت بھی لمبی تاریخ کے بعد قائم ہوتی ہے :

It requires a lot of history to make a little tradition

لندن میں پانچ لاکھ سکھ ہیں۔ ان کے تقریباً دو سو گوردوارے ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد بھی لندن میں تقریباً پانچ لاکھ اور پورے برطانیہ میں تقریباً ۲۵ لاکھ ہے۔ ان میں سے ۵ ہزار نو مسلم ہیں۔ لندن میں تقریباً سو مسجدیں ہیں اور پورے برطانیہ میں تقریباً چھ سو۔ یہ سب لوگ یہاں کی اصطلاح میں ایشیائی کہے جاتے ہیں۔ یہ بظاہر مختلف مذہب کے لوگ ہیں۔ مگر ان کے مسائل مشترک ہیں: اپنے تشخص (Identity) کو کس طرح برقرار رکھا جائے۔ ان کے درمیان کمیونٹی سنٹر اور مذہبی سنٹر کی مقبولیت کی ایک خاص نفسیاتی وجہ یہی ہے۔

باہر سے جو مسلمان یہاں آکر آباد ہوئے ہیں ان میں جو حساس ہیں ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ بچوں کی اخلاقی اور مذہبی تربیت کا مسئلہ ہے۔ یہ بچے یا تو مقامی بچوں کی طرح بالکل آزاد ہو رہے ہیں۔

اور اگر ان کے گھر کا دباؤ ان پر شدید ہو تو ان کے اندر دوہری شخصیت پرورش پا رہی ہے۔ ایک وہ جو ان کے ماں باپ ان کے اندر اتارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری وہ جو اسکول اور ٹیلی وژن اور ماحول کے اثر سے ان کے اندر پیدا ہو رہی ہے۔

اس صورت حال کا واحد فائدہ جن لوگوں کے حصہ میں آیا ہے وہ مذہبی پیشوا اور قائدین ہیں۔ اس کی وجہ سے ان لوگوں کو ایک نیا شاندار مشغلہ ہاتھ آگیا ہے۔ لندن میں اور اس طرح کے دوسرے ملکوں میں بیرونی باشندے جو اپنے پردیسی ماحول میں "اجنبیت" کے مسئلہ سے دوچار ہیں، وہ مایوسانہ تدبیر کے طور پر اپنے وطن سے اپنے مذہبی پیشواؤں کو بلاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے اپنے کچھ مذہبی جلسے یا قومی تقریبات مناکر یہ تسکین حاصل کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے تشخص کو قائم رکھنے کا کافی انتظام کر لیا ہے۔ اس طرح کی وقتی اور نمائشی چیزوں سے اصل مسئلہ تو حل نہیں ہوتا البتہ ان کے پیشواؤں کو اس چیز کا موقع مل جاتا ہے جس کو ایک شخص نے بجا طور پر جھوٹی امیدوں کی تجارت (False Hopes Business) کہا ہے۔

انگلستان میں اور دوسرے مغربی ممالک میں بعض مسائل نہایت عجیب ہیں۔ مثلاً یہاں کتا آدمی کے مقابلہ میں زیادہ قابل لحاظ ہے۔ یہ کار کتوں کے لئے کتا گھر (Dogs' Home) بنے ہوئے ہیں جیسے ہندستان میں ناکارہ گایوں کے لئے گوشالے بنائے جاتے ہیں۔ تاہم یہاں کے کتا گھر اتنے اعلیٰ اور صاف ستھرے ہوتے ہیں کہ ہندستان کے گوشالوں سے ان کو کوئی نسبت نہیں۔

یہاں کے مالک مکان ایسے شخص کو اپنا مکان کرایہ پر دینے میں متردد ہوتے ہیں جن کے ساتھ کئی بچے ہوں اس کے مقابلہ میں وہ ایسے جوڑے کو کرایہ کا مکان دینے پر راضی ہو جاتے ہیں جن کے درمیان تیسرا صرف ایک کتا ہو۔ ان کا خیال ہے کہ کتا انسان کے بچوں سے زیادہ مہذب ہوتا ہے۔ بچے مکان کو خراب کرتے ہیں جب کہ کتے کے متعلق اطمینان ہے کہ وہ اس طرح رہے گا کہ مکان میں کوئی خرابی نہ پیدا کرے۔

لندن میں سو سے کچھ اوپر مسجدیں ہیں۔ یہ مسجدیں زیادہ تر رہائشی مکانات کے کمروں میں قائم کی گئی ہیں۔ البتہ پارک روڈ پہ ایک باقاعدہ مسجد تعمیر کی گئی ہے جو کافی وسیع اور شاندار ہے اور اس کے ساتھ کلچرل سنٹر بھی قائم ہے۔ یہاں میں نے ۳ اگست کو عصر کی نماز پڑھی۔

مرکزی لندن کے ایک ہوٹل میں ہمارے لئے قیام کا انتظام تھا، اس میں ایک بڑا کمرہ نماز کے لئے خاص کیا گیا تھا۔ یہاں پانچوں وقت جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جاتی تھی، مختلف ملکوں سے آئے ہوئے لوگوں کے مسلک بھی الگ الگ تھے۔ کوئی ایک ہاتھ کان پہ رکھ کر اذان دیتا تھا اور کوئی دونوں ہاتھ۔ کوئی ہاتھ لٹکا کر نماز پڑھتا تھا کوئی ہاتھ باندھ کر۔ کوئی نماز کے بعد اجتماعی دعا کرتا تھا اور کوئی بغیر دعا کے نماز

ختم کر دینا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ مگر ان اختلافی مسائل پر یہاں نہ کوئی بحث ہوتی تھی اور نہ اختلاف۔ ہر ایک دوسرے کے مسلک پر اعتراض کیے بغیر اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھتا اور پھر باہم اس طرح ملتا جیسے ان کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ "مغربی علمار" ان "مشرقی علمار" سے بہتر ہیں جو انھیں امور پر باہم لڑتے رہتے ہیں حتیٰ کہ دینی مسجدیں اور مدرسے الگ الگ بنا لیتے ہیں۔ یہ در اصل میدان اختلاف میں فرق کا سوال ہے نہ کہ خود اختلاف کا۔ مشرقی علما جب کسی مختلف مسلک والے آدمی پر تنقید کرتے ہیں تو وہ کفر و فسق کی اصطلاحوں میں کلام کرتے ہیں۔ اس کے برعکس مغربی تعلیم یافتہ لوگ اس معاملہ میں اپنے مغربی اساتذہ کی نقل کرتے ہیں، وہ اپنی اختلافی شدت کو حسین الفاظ اور خوبصورت اصطلاحات میں چھپا لیتے ہیں۔

ایک نوجوان جو ملیشیا سے آئے تھے۔ جوش و خروش کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ ہم ملیشیا میں ایران کی اسلامی حکومت کے حق میں عوامی رائے کو موبیلائز کرنا چاہتے ہیں۔ مگر بعض اسلامی جماعتیں جن کو مخالف اسلام حکومتوں سے مدد ملتی ہے وہ ہم کو اس سے روکتی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں وہاں مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کے اپنے ملک میں خود بہت سے اہم دینی مسائل ہیں، پھر آپ ان میں اپنی طاقت صرف کیجئے۔ آپ کو باہر کے مسائل میں اتنا زیادہ اپنے کو شامل کرنے کی کیا ضرورت۔ ان کا جواب یہ تھا: دنیا کی واحد اسلامی حکومت پر طاغوتی طاقتیں حملہ کر رہی ہیں پھر ہم خاموش کس طرح رہ سکتے ہیں۔

اس واقعہ کا ذکر میں نے ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب (آسٹریلیا) سے کیا۔ انھوں نے بہت عمدہ بات کہی۔ انھوں نے کہا کہ اصل مسئلہ آدمی کی نفسیات (Psyche) کا ہے۔ اور نفسیات صرف دو قسم کی ہوتی ہے یا دنیوی یا اخروی۔ آدمی کی نفسیات اگر دنیوی طرز کی ہے تو وہ انھیں مسائل کو اہمیت دے گا جن میں کوئی دنیوی یا سیاسی پہلو ہو۔ وہ ان مسائل کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکتا جو اپنے اندر اخروی پہلو رکھتے ہیں۔ آپ کو سب سے پہلے لوگوں کی نفسیات بدلنی چاہیے۔ اس کے بعد ہی وہ صحیح اسلامی طرز کو اختیار کر سکتے ہیں۔

۶ اگست کو ہم نے جمعہ کی نماز پارک روڈ پر لندن کی جامع مسجد میں پڑھی۔ یہ کافی بڑی مسجد ہے۔ نمازیوں کی کثرت سے اس کے تمام گوشے بھرے ہوئے تھے۔ منبر کی طویل عربی تقریر دہلی کی جامع مسجد کی اردو تقریروں سے کچھ مختلف نظر نہیں آئی۔ اس فرق کے ساتھ کہ دہلی میں مسلمانوں پر ہندستانی ظلم کے خلاف واویلا ہوتا ہے اور وہاں فلسطینیوں پر یہودی ظلم کے خلاف واویلا کیا جا رہا تھا۔

نماز ادا کر کے ہم لوگ باہر نکلے تو ایرانیوں کی ایک جماعت سڑک کے کنارے مسجد کے گیٹ کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ ایک صاحب مجتہد والے لباس میں تھے اور بقیہ مغربی لباس میں۔ یہ لوگ مسلسل نعرے لگا رہے

INTERNATIONAL

HAJJ SEMINAR

LONDON

14–17 Shawwal 1402 / 4–7 August 1982

لبيك اللهم لبيك

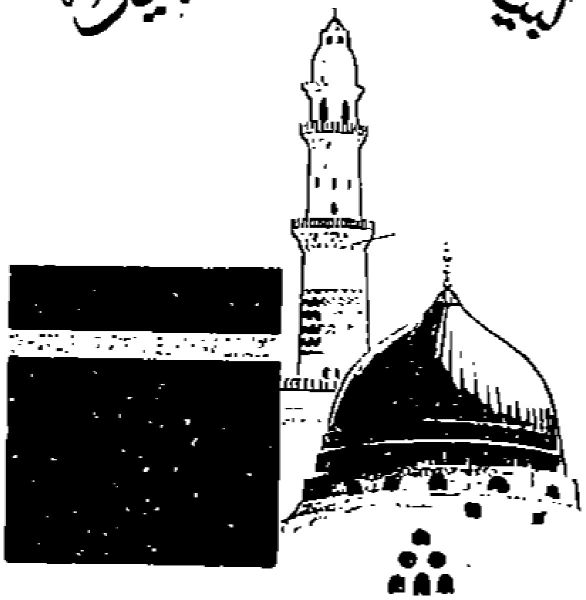

The International Hajj Seminar held in London from August 4-7, 1982, (Shawwal 13-16, 1402) attracted scholars, journalists and workers in the Islamic movement from all parts of the world. The seminar, held by the Muslim Institute of London, represented the geographical diversity of the *Ummah* as well as the many Schools of Thought in Islam.

The seminar produced papers and discussions on all aspects of Hajj and on the current situation, future imperatives and problems of the *Ummah* as a whole. Since the seminar was held in a free and non-governmental framework, it provided a unique opportunity for Muslims of all shades of opinion to express and exchange views on all topics of relevance to the Muslim *Ummah*.

Dr Al-Husseini of Iraq talked of the 'Philosophical Dimensions of Hajj,' but perhaps the best demonstration of philosophy of Hajj came from Maulana Waheed-uddin Khan, the well-known scholar from India, who put the Hajj in the context of the call to Islam (*da'wa*). He pointed out that the basic task of most prophets was the communication of the faith: but to the Prophet Ibrahim was assigned the special task of establishing the supremacy of religion, and to the Prophet Muhammad that of establishing its dominance. He explained that the divine scheme for universal guidance was divided into two stages: an initial one in Palestine and a final one in the Hejaz. The Ka'aba is thus the centre of the Islamic message and the Hajj is the annual gathering of those committed to its dissemination.

تھے۔ بہت سے لوگوں کے بیک وقت بولنے کی وجہ سے اتنا شور ہو رہا تھا کہ ان کے الفاظ سمجھنے میں مجھے دیر لگی۔ ان کے نعرے یہ تھے:

اللہ اکبر خمینی رہبر۔ مرگ بر منافق۔ مرگ بر امریکہ۔ حزب فقط حزب اللہ رہبر فقط روح اللہ۔ لا شرقیہ لا غربیہ جمہوریہ اسلامیہ

یہ لوگ اچھل رہے تھے، ہاتھ پھینک رہے تھے اور چیخ چیخ کر نعرے لگا رہے تھے۔ دل کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر جہاں تک ظاہر کا تعلق ہے، مجھے ان کے چہروں پر دینی سنجیدگی نظر نہ آئی۔ میں نے سوچا: آج اگر صحابہ کرام ہوتے تو کیا وہ اسی طرح عمل کرتے۔

میرا مقالہ (حج کی دعوتی اہمیت) ۶ اگست ۱۹۸۲ کو صبح کی نشست میں تھا۔ میں اپنا مقالہ اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں تیار کر کے لے گیا تھا۔ مگر وہاں ایک قابل لحاظ تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو اردو جانتے اور سمجھتے تھے۔ نیز تقریر کے ساتھ فوری ترجمہ کا عمدہ انتظام تھا۔ اس لئے میں نے اپنا مقالہ اردو میں پڑھا۔ البتہ مقالہ شروع کرنے سے پہلے چند جملے انگریزی میں کہے جن کا خلاصہ یہ تھا:

I am going to present my paper in Urdu. As the Arabic and English versions may be heard on your headsets, I hope you will not mind it

مسلم انسٹی ٹیوٹ (لندن) کی فرمائش پر میں نے دو مضامین تیار کئے تھے۔ ایک، حج کے فلسفے کے بارے میں۔ اور دوسرا حج کے مسائل پر۔ یہ دونوں مقالے (حج کی دعوتی اہمیت، حج کا طریقہ) دو الگ الگ پمفلٹ کی صورت میں انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے شائع کر کے تقسیم کئے گئے۔ اس کے علاوہ سمینار کے آخری دن ۷ اگست کو میری ایک تقریر ہوئی۔ اس تقریر میں حج کے اخلاقی پہلو کی وضاحت کی گئی۔ اس تقریر کا انگریزی ترجمہ بھی سائیکلو اسٹائل کر کے تقسیم کیا گیا۔ کناڈا کے پندرہ روزہ اخبار (کریسنٹ انٹرنیشنل) نے لندن کے حج سمینار پر جو رپورٹ شائع کی ہے اس کا ایک حصہ علیحدہ صفحہ پر نقل کیا جا رہا ہے۔

۸ اگست ۱۹۸۲ کی صبح کو ۱۰ بجے میں لندن سے واپس روانہ ہوا۔ تقریباً ۱۳ گھنٹے کی پرواز کے بعد مجھے رات کو دہلی پہنچ جانا چاہئے تھا۔ مگر وقت میں فرق کی وجہ سے یہ ہوا کہ جب میں دہلی پہنچا تو یہاں کی مقامی گھڑیوں میں صبح کے چار بج رہے تھے۔ لندن جاتے ہوئے میں نے تقریباً پانچ گھنٹے "حاصل" کئے تھے۔ لندن سے واپسی میں میں نے پانچ گھنٹے کھو دئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر پانے کے لئے آدمی کو کچھ کھونا پڑتا ہے۔ اس دنیا میں کھوئے بغیر کسی کے لئے کچھ پانا ممکن نہیں۔

مدافعت نہ کہ جارحیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت کے بعد مکہ میں تیرہ سال تک رہے۔ اس مدت میں مکہ کے منکروں کی طرف سے ہر قسم کا ظلم کیا گیا۔ مگر آپ صرف صبر کرتے رہے۔ آپ اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ یہ کہتے کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو (کفوا ایدیکم) ہجرت کے بعد قریش سے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ مگر یہ لڑائیاں آپ کے لئے مدافعانہ لڑائیاں تھیں۔ کیونکہ ان لڑائیوں میں جارحیت کا مظاہرہ اولاً قریش کی طرف سے کیا گیا (وھم بدءوا کم اول مرۃ) سورۂ بقرہ میں مسلمانوں کو جنگ کا حکم دیتے ہوئے کہا گیا ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (۱۹۰) اس کی تشریح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کہتے ہیں: ای الـذین یبدؤنکم بالقتال (یعنی ان سے جنگ کرو جنھوں نے تم سے جنگ میں ابتدا کی ہے)

ابتدائی تین بڑے غزوات مدینہ کی سرحد پر یا اس سے بہت قریب ہوئے۔ مدینہ سے مکہ کا فاصلہ ۲۰۰ میل ہے۔ مگر اسلام کا پہلا غزوہ بدر (رمضان ۲ھ) بدر نامی مقام پر ہوا جو مدینہ سے صرف ۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ دوسرا بڑا غزوہ احد (شوال ۳ھ) احد پہاڑ کے پاس ہوا جو مدینہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔ تیسرا بڑا غزوہ احزاب (ذی قعدہ ۵ھ) عین مدینہ کی سرحد پر ہوا۔ گویا ہر بار آپ کے مخالفین چڑھائی کرکے آپ کے مقام پر آئے۔ نہ کہ آپ چڑھائی کرکے ان کے مقام پر گئے۔

ان غزوات کا جغرافی محل وقوع ہی یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ آپ کے مخالفین نے آپ پر جارحانہ اقدام کیا تھا اور آپ صرف مدافعت میں ان کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ یہ عملی دلیل اتنی واضح ہے کہ اس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

اصل یہ ہے کہ اسلام کا انحصار اصلاً جس چیز پر ہے وہ دعوت ہے۔ دعوت اسلام کی سب سے بڑی قوت ہے جو ہمیشہ دوسری تمام قوتوں پر بالاثابت ہوتی ہے۔ اسلام کی پالیسی ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ وہ اپنی اس بے خطا قوت کو استعمال کرے۔ اسلام میں صبر کی تاکید اسی لئے کی گئی ہے کہ مقابلہ کے میدان کو دعوت سے باہر نہ جانے دیا جائے۔ الا یہ کہ فریق ثانی خود ہی اپنی کارروائیوں کی وجہ سے مجبور کردے۔

یہ یہودیت ہے

مفسر قرآن مولانا شبیر احمد عثمانی سورہ مائدہ (آیت ۲۷) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "بنی اسرائیل کو جب یہ حکم دیا گیا کہ ظالموں اور جابروں سے قتال کرو تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ (اس کے مقابلہ میں) متقی اور مقبول بندوں کا قتل جو شدید ترین جرائم میں سے ہے اس کے لئے یہ ملعون ہمیشہ مستعد اور تیار نظر آتے ہیں۔ پہلے بھی کتنے نبیوں کو قتل کیا اور آج بھی خدا کے سب سے بڑے پیغمبر کے خلاف از راہ بغض و حسد کیسے کیسے منصوبے گانٹھتے رہتے ہیں۔ گویا ظالموں اور شریروں کے مقابلہ سے جان چرانا اور بے گناہ معصوم بندوں کے خلاف قتل و سزا کی سازشیں کرنا یہ قوم (یہود) کا شیوہ رہا ہے اور اس پر نحن ابناء اللہ و احباء ہ کا دعویٰ بھی رکھتے ہیں (صفحہ ۱۴۴)

مولانا عثمانی کا مذکورہ اقتباس ایک اہم قرآنی حقیقت کو بتا رہا ہے۔ قرآن میں یہود کو ملعون قرار دیا گیا ہے۔ یہ ملعونیت نسل اور قوم کی بنا پر نہیں ہے بلکہ کردار کی بنا پر ہے۔ مزید قرآن میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق صرف یہود سے نہیں ہے۔ نام نہاد مسلمان اگر اسی قسم کے کردار کا ثبوت دیں تو ان کا انجام بھی وہی ہو گا جو یہود کے لئے مقدر کیا گیا ہے (لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوءًا یجز بہ، النساء ۱۲۳)

یہود کا ایک کردار، قرآن کے مطابق یہ ہے کہ آدمی کا یہ حال ہو کہ شریر قسم کے لوگوں سے معاملہ پڑے تو وہ بزدل بن جائے اور سیدھے سادے نیک لوگوں کے لئے وہ بھیڑیا ثابت ہو۔ خدا کا خوف اس کے ہاتھ اور پاؤں کو نہ روکے مگر جب معاملہ طاقت ور قسم کے لوگوں سے ہو تو وہ فوراً درست ہو جائے۔ حق اور انصاف کی بات اس پر اثر انداز نہ ہو مگر ڈنڈے کی منطق سامنے ہو تو وہ فوراً راہ راست پر آجائے۔

اس قسم کا کردار یہودی کردار ہے۔ وہ خواہ غیر یہودیوں سے ظاہر ہو، اس کا انجام خدا کے یہاں وہی ہے جو معروف یہودیوں کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا، گویا کہ وہ بس دن کی ایک گھڑی دنیا میں تھے۔ وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ بے شک سخت گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا اور وہ راہ راست پر نہ آئے۔ ہم تم کو اس کا کوئی حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں یا تمھیں وفات دے دیں، بہر حال ان کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ گواہ ہے اس پر جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب ان کا رسول آ جاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوتا ۴۷ - ۴۵

آج آخرت انسان کے سامنے نہیں ہے۔ آج ایک دیکھنے والے کو اسے تصور کی نگاہ سے دیکھنا پڑتا ہے۔ اس لئے جو شخص آخرت کے معاملہ میں سنجیدہ نہ ہو اس کو آخرت بہت دور کی چیز معلوم ہوگی۔ مگر جب آخرت سب سے بڑی حقیقت کی حیثیت سے انسان کے اوپر ٹوٹ پڑے گی اور وہ اس کو اس کی تمام سنگینیوں کے ساتھ اپنی آنکھ سے دیکھنے لگے گا، اس وقت وہ اپنی موجودہ سرکشی کو بھول جائے گا، اس وقت اس کو دنیا کے وہ لمحات بہت حقیر معلوم ہوں گے جن کی وجہ سے وہ غفلت میں پڑ گیا تھا اور آخرت کے بارے میں سوچنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔

آخرت کسی اجنبی دنیا میں واقع نہیں ہوگی بلکہ ہماری جانی پہچانی دنیا میں واقع ہوگی۔ وہاں آدمی اپنے آپ کو اسی ماحول میں پائے گا جس ماحول میں اس نے اس سے پہلے حق کا انکار کیا تھا، وہ اپنے آپ کو انھیں لوگوں کے درمیان دیکھے گا جن کے بل پر وہ سرکشی کرتا تھا مگر اس دن وہ لوگ اس کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس وقت ہر بات اس کے ذہن میں اس طرح تازہ ہوگی گویا اس پر کوئی مدت گزری ہی نہیں۔

داعی اور مدعو کا معاملہ آسمان کے نیچے پیش آنے والے تمام معاملات میں سب سے زیادہ نازک معاملہ ہے۔ داعی اگر فی الواقع حق کو لے کر اٹھا ہے تو وہ اس دنیا میں خدا کا نمائندہ ہے۔ اس کا اقرار خدا کا اقرار ہے اور اس کا انکار خدا کا انکار۔ ایسا ایک واقعہ انجام سے خالی نہیں ہو سکتا۔ داعی حق کے ظہور کے بعد لازماً ایسا ہوتا ہے کہ اس کی زبان سے جاری ہونے والے ربانی کلام کے سامنے تمام لوگ بے دلیل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ باطل

کے اوپر حق کی پہلی فتح ہے۔ دوسری فتح آخرت میں ہوگی جب کہ اس کے مخالفین خدا کے اذن سے اس کے مقابلہ میں بے زور ہو کر رہ جائیں گے۔ پہلا واقعہ لازمی طور پر اسی دنیا میں پیش آتا ہے اور دوسرا واقعہ بھی جزئی طور پر موجودہ دنیا میں ظاہر ہوتا ہے اگر خدا اس کو موجودہ دنیا میں ظاہر کرنا چاہے۔

یہ معاملہ ہر گروہ کے ساتھ پیش آنا لازمی ہے جب کہ وہ براہ راست خدا کے سامنے کھڑا ہونے سے پہلے موجودہ دنیا میں بالواسطہ طور پر نمائندۂ خدا کے سامنے کھڑا کیا جائے۔ اس طرح خدا دیکھتا ہے کہ کون ہے جو اس وقت اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیتا ہے جب کہ خدا ابھی غیب میں ہے اور کون ہے جو ایسا نہیں کرتا۔ پہلی قسم کے لوگوں کے لئے جنت ہے اور دوسری قسم کے لوگوں کے لئے دوزخ۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ کہو میں اپنے واسطے بھی برے اور بھلے کا مالک نہیں، مگر جو اللہ چاہے۔ ہر امت کے لئے ایک وقت ہے۔ جب ان کا وقت آجاتا ہے تو پھر نہ وہ ایک گھڑی پیچھے ہوتے اور نہ آگے۔ کہو کہ بتاؤ، اگر اللہ کا عذاب تم پر رات کو آپڑے یا دن کو آجائے تو مجرم لوگ اس سے پہلے کیا کرلیں گے۔ پھر کیا جب عذاب واقع ہو چکے گا تب اس پر یقین کرو گے۔ اب قائل ہوئے اور تم اسی کا تقاضا کرتے تھے، پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ یہ اسی کا بدلہ مل رہا ہے جو کچھ تم کماتے تھے۔

۴۸ - ۵۲

انسان موجودہ دنیا میں اپنے کو آزاد پاتا ہے۔ وہ بظاہر دیکھتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے، کوئی اس کو پکڑنے والا نہیں، کوئی اس کو سزا دینے والا نہیں۔ یہ صورت حال اس کو بھلاوے میں ڈال دیتی ہے۔ حتی کہ خدا کا داعی جب اس کو اس کے عمل کے انجام سے ڈراتا ہے تو وہ خدا کے داعی کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ وہ کہتا ہے —— ہماری سرکشی پر تم جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہو وہ کب پوری ہوگی۔

اس قسم کی باتوں کا سبب نادانی کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ یہ پکڑ خود داعیٔ حق کی طرف سے نہیں آنے والی ہے بلکہ خدا کی طرف سے آنے والی ہے۔ اور خدا ہر آن اپنی دنیا میں بتا رہا ہے کہ اس کا طریقہ جلدی کا طریقہ نہیں۔

کشتی میں سوراخ ہو اور کوئی ملاح اس کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی کشتی کو دریا میں ڈال دے تو خدا کا لازمی قانون ہے کہ ایسی کشتی پانی میں ڈوب جائے۔ مگر ایسی کشتی فوراً پانی میں نہیں ڈوبتی بلکہ خدا کی سنت کے مطابق اپنے مقرر وقت پر ڈوبتی ہے۔ اس قسم کی مثالیں دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں جو انسان کو خدائی سنت کا تعارف کرا رہی ہیں مگر ان کو دیکھنے کے باوجود وہ کہتا ہے کہ اگر ان اعمال پر خدا کا عذاب ہے تو وہ عذاب جلد کیوں نہیں آجاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خدا کی پکڑ کے بارے میں سنجیدہ نہیں۔

زلزلہ اور طوفان خدائی واقعات ہیں۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ جب معاملہ خدا اور انسان کے درمیان ہو تو فیصلہ کا اختیار تمام تر صرف فریق اول کو ہوتا ہے۔ مگر انسان اس پہلو پر غور نہیں کرتا۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ خدا کا قانون فوراً حرکت میں نہیں آرہا ہے اور چونکہ وہ فوراً حرکت میں نہیں آتا اس لئے وہ غفلت میں پڑا رہتا ہے۔ مگر جب خدا کا فیصلہ آئے گا تو اس وقت انسان اپنے کو بے بس پاکر سب کچھ مان لے گا۔ حالانکہ اس وقت کا ماننا کچھ کام نہ آئے گا۔ کیونکہ وہ عمل کا انجام پانے کا وقت ہوگا نہ کہ عمل کرنے کا۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے۔ کہو کہ ہاں میرے رب کی قسم یہ سچ ہے اور تم اس کو تھکا نہ سکو گے۔ اور اگر ہر ظالم کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے تو وہ اس کو فدیہ میں دے دینا چاہے گا اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو اپنے دل میں پچھتائیں گے۔ اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ یاد رکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کا ہے، یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۵۳ ـ ۵۶

عرب کے لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اگر تم نے اپنی اصلاح نہ کی تو تم کو آخرت کا

عذاب پکڑے گا۔ اس کے جواب میں وہ آپ کی بات کا مذاق اڑانے لگے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔ وہ دراصل پیغمبر اسلام کی تنبیہ کو بے وزن سمجھ رہے تھے نہ کہ نفس آخرت کو۔ پیغمبر اسلام کی عظمت اس وقت تک مسلّم نہ ہوئی تھی۔ اس وقت آپ کے مخاطبین آپ کو ایک معمولی انسان کے روپ میں دیکھتے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ایسے معمولی انسان کی بات نہ ماننے سے ان کے اوپر خدا کا عذاب کیسے آجائے گا۔ انھیں آپ کے نمائندۂ خدا ہونے پر شک تھا نہ کہ خود خدا اور آخرت پر۔

یہ تقابل حقیقۃً اقرار آخرت اور انکار آخرت کے درمیان نہ تھا۔ بلکہ بڑی شخصیت کے دین اور چھوٹی شخصیت کے دین کے درمیان تھا۔ وہ ماضی کے مشہور بزرگوں کے ساتھ اپنے کو منسوب کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو مسلّمہ شخصیتوں کے دین پر سمجھتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں جب وہ سامنے کے پیغمبر کو دیکھتے تو وہ ان کو ایک معمولی انسان کے روپ میں نظر آتا۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ تاریخ کی جن بڑی بڑی شخصیتوں کے ساتھ وہ اپنے کو وابستہ کئے ہوئے ہیں، ان سے وابستگی ان کے لئے باعث نجات نہ ہو۔ بلکہ نجات کے لئے یہ ضروری ہو کہ وہ اپنے آپ کو اس شخص کے ساتھ وابستہ کریں جس کو بظاہر کوئی تقدس اور عظمت حاصل نہیں۔ یہی وہ نفسیات تھی جس کی وجہ سے ان کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ آپ کا مذاق اڑائیں۔

آدمی ایک حساس مخلوق ہے۔ وہ تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتا۔ دنیا میں جب تک اس کو عذاب کا سامنا نہیں ہے وہ حق کا مذاق اڑاتا ہے۔ وہ اس کو بے نیازی کے ساتھ ٹھکرا دیتا ہے۔ مگر جب آخرت کا عذاب سامنے ہوگا تو اس پر اتنی گھبراہٹ طاری ہوگی کہ سب کچھ اس کو حقیر معلوم ہونے لگے گا۔ ساری دنیا کی دولت اور تمام دنیا کی نعمت بھی اگر اس کے پاس ہو تو عذاب کے مقابلہ میں وہ اتنی بے قیمت نظر آئے گی کہ وہ چاہے گا کہ سب کچھ دے کر صرف اتنا ہو جائے کہ وہ اس تکلیف سے نجات پا جائے۔

مگر آخرت کا مسئلہ کوئی سودے بازی کا مسئلہ نہیں۔ وہ تو اپنے کئے کا انجام بھگتنے کا مسئلہ ہے۔ زندگی اور موت کے بارے میں خدا کا جو منصوبہ ہے اس کا یہ لازمی جزء ہے۔ خدائی انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ ہو۔ اور خدائی قدرت اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ بہرحال ہو کر رہے گا۔

اس کے پیش آنے میں جو کچھ دیر ہے وہ صرف اس مقررہ وقت کے آنے کی ہے جب کہ موجودہ امتحان کی مدت ختم ہو اور سارے انسان خدا کے یہاں اپنے آخری انجام کا فیصلہ سننے کے لئے حاضر کر دئے جائیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَ
هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا
هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ
حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿٥٩﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ

يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۶۰﴾

اے لوگو، تمھارے پاس تمھارے رب کی جانب سے نصیحت آگئی اور اس کے لئے شفا جو سینوں میں ہوتی ہے اور اہل ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت۔ کہو کہ یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ اب چاہئے کہ لوگ خوش ہوں، یہ اس سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کررہے ہیں۔ کہو، یہ بتاؤ کہ اللہ نے تمھارے لئے جو رزق اتارا تھا، پھر تم نے اس میں سے کچھ کو حرام ٹھہرایا اور کچھ کو حلال۔ کہو، کیا اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہو۔ اور قیامت کے دن کے بارے میں ان لوگوں کا کیا خیال ہے جو اللہ پر جھوٹ لگا رہے ہیں۔ بیشک اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ۶۰ — ۵۷

انسان ایک نفسیاتی مخلوق ہے۔ نفسیات کے بننے سے وہ بنتا ہے اور نفسیات کے بگڑنے سے وہ بگڑ جاتا ہے۔ خدا کی کتاب کی صورت میں جو ہدایت اتری ہے وہ انسان کے لئے سراسر رحمت ہے۔ اس میں انسان کے لئے بہترین نصیحت موجود ہے۔ مگر اس نصیحت کو پانے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی نے اپنی راست فکری نہ کھوئی ہو۔ جو شخص اپنی راست فکری کی صلاحیت کو بگاڑ لے، اس کے لئے خدا کا نصیحت نامہ بے اثر رہے گا۔

موجودہ دنیا کی چیزیں اور اس کی رونقیں آدمی کے سامنے "نقد" ہوتی ہیں۔ آدمی ہر آن ان کی لذت اور خوبی کا تجربہ کرتا ہے، اس کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں صرف "وعدہ" کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آدمی صرف ان کے بارے میں سنتا ہے، وہ ان کا تجربہ نہیں کرتا۔ اس بنا پر اکثر لوگ دنیا کی نقد چیزوں پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مگر جو شخص گہرائی کے ساتھ سوچے گا وہ اس بات پر خوش ہوگا کہ خدا نے اپنی ہدایت اتار کر اس کے لئے ابدی نعمتوں کے حصول کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اللہ نے جو کچھ انسان کو دیا ہے، خواہ وہ زرعی پیداوار کی صورت میں ہو یا دوسری صورت میں، سب کا سب رزق ہے۔ آدمی اگر ان چیزوں کو خدا کا دیا ہوا سمجھے اور خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ان میں تصرف کرے تو اس کے اندر خدا کے شکر کا جذبہ ابھرے گا۔ مگر شیطان ہمیشہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ وہ اس نسبت کو بدل دے، تاکہ اس "رزق" کے استعمال کے وقت آدمی کو خدا کی یاد نہ آئے بلکہ دوسری دوسری چیزوں کی یاد آئے —— قدیم زمانہ میں شیطان نے پیداوار میں مفروضہ دیوی دیوتاؤں کے مراسم مقرر کئے تاکہ آدمی ان کو لیتے ہوئے خدا کو یاد نہ کرے بلکہ دیوی دیوتاؤں کو یاد کرے۔ موجودہ زمانہ میں یہی مقصد شیطان مادی توجیہات کے ذریعہ حاصل کررہا ہے۔ وہ خدا کی طرف سے ملنے والی چیز کو مادی عوامل کے تحت ملنے والی چیز بنا کر لوگوں کو دکھا رہا ہے تاکہ لوگ جب ان نعمتوں کو پائیں تو وہ اس کو خدا کا رزق نہ سمجھیں بلکہ صرف مادہ کا کرشمہ سمجھیں۔

قومی مقابلے

غالباً ۱۹۳۲ کا واقعہ ہے، ڈی اے وی کالج لاہور میں تاریخ کے استاد لالہ ابلاغ رائے نے ایک مقالہ شائع کیا۔ یہ مقالہ اخبار ٹربیون میں چھپا۔ اس میں انھوں نے تحقیقات پیش کرتے ہوئے ثابت کیا تھا کہ جنوبی امریکہ کی دریافت کرنے والے ایک ہندو مذہبی رہنما تھے جن کا نام ارجن دیو تھا۔ ارجنٹینا (Argentina) انھیں ارجن دیو کے نام پر ہے جو جنوبی امریکہ کا ایک ساحلی ملک ہے۔

لالہ ابلاغ رائے کا یہ مقالہ شائع ہوا تو مسلمانوں میں کھلبلی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کو نظر آیا کہ ہندو ان سے بازی لے گئے ہیں۔ اس کے بعد مولانا ظفر علی خاں اٹھے اور انھوں نے مسلمانوں کے جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ مولانا ظفر علی خاں نے اپنے اخبار زمیندار میں ایک مضمون شائع کیا۔ اس میں انھوں نے ثابت کیا کہ جنوبی امریکہ کی دریافت ایک مسلم درویش حضرت شیخ چلی رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔ چنانچہ جنوبی امریکہ کا ایک ملک آج تک انھیں کے نام پر منسوب چلا آرہا ہے۔ اس ملک کا نام چلی (Chile) ہے (ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی، ۱۶ فروری ۱۹۷۷)

یہ ایک دلچسپ مثال ہے جو بتاتی ہے کہ موجودہ صدی کے نصف اول میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں کس قسم کے قومی مقابلے جاری تھے۔ اس مزاج کا یہ نتیجہ ہوا کہ مسلمان اپنے حقیقی دین کو زندہ کرنے کے بجائے اس کوشش میں لگ گئے کہ وہ ہندو قوم کی ہر چیز کا ایک اسلامی جواب اپنے یہاں فراہم کریں ــــ جنم اشٹمی کے جواب میں جشن میلاد، ہولی کے جواب میں شب برات، ہندو مہا بھارت کے جواب میں شاہنامہ اسلام، ڈاوری کے جواب میں جہیز، کریا کرم کے جواب میں میت کی رسوم، حتی کہ بت پرستی کے جواب میں قبر پرستی، وغیرہ اس قسم کی بے شمار رسوم جو ہمارے یہاں نظر آتی ہے وہ سب اسی جوابی ذہنیت کا نتیجہ ہے۔

اس کوشش میں مسلمانوں نے اپنے قومی فخر کے لئے تو ضرور نئے نئے سامان فراہم کر لئے مگر اصلی اور حقیقی دین سے وہ دن بدن دور ہوتے چلے گئے۔ ان کا دین حقیقۃً خدا کا دین نہ رہا بلکہ خدا کے دین کا ہندستانی اڈیشن بن کر رہ گیا۔

قومی ریس سے پیدا ہونے والا مذہب قومی مذہب ہے نہ کہ خدائی مذہب۔ ایسے مذہب سے قومی جذبات کو تسکین مل سکتی ہے۔ مگر وہ خدا کو خوش کرنے کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ خدا اس مذہب کو زندہ کرنے سے خوش ہوگا جو اس نے اتارا ہے نہ کہ اس مذہب سے جو ہم خود اپنے قومی کارخانہ میں ڈھال کر تیار کرلیں۔

نسئ اور کبیسہ کا فرق

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک اعتراض کرتا ہے۔ بظاہر دیکھنے والوں کو اس کا اعتراض درست نظر آتا ہے۔ مگر جب گہرائی کے ساتھ اس کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اعتراض محض ایک سرسری رائے زنی تھی نہ کہ حقیقی معنوں میں کوئی واقعی اعتراض۔ وہ الفاظ کا ایک مجموعہ تھا نہ کہ معانی کا اظہار۔ اس سلسلہ میں یہاں ایک مثال لیجئے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرًا فی کتاب اللہ یوم خلق اللہ السمٰوات والارض منھا اربعۃ حرم ذلک الدین القیم فلا تظلموا فیھن انفسکم وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔ انما النسئ زیادۃ فی الکفر یُضَلُّ بہ الذین کفروا یحلونہ عاما ویحرمونہ عاماً لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ فیُحِلّوا ما حرم اللہ زین لھم سوء اعمالھم واللہ لا یھدی القوم الکافرین (التوبہ ۳۷-۳۶)

مہینوں کا شمار کتاب الٰہی میں اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جس روز اس نے آسمان اور زمین پیدا کئے۔ ان میں چار مہینے حرمت کے ہیں۔ یہی دین قیم ہے۔ پس تم ان میں اپنا نقصان نہ کرو۔ اور مشرکین سے سب سے لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑ رہے ہیں۔ اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کو ہٹانا کفر کی بڑھائی ہوئی بات ہے جس سے اہل کفر گمراہ کئے جاتے ہیں کہ وہ حرام مہینہ کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام رکھتے ہیں تاکہ اللہ نے جو مہینے حرام کئے ہیں ان کی گنتی پوری کر لیں۔ پھر وہ اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حلال کر لیتے ہیں۔ اور اللہ منکروں کو راستہ نہیں دکھاتا۔

اس آیت میں نسئ (مہینوں کو ہٹانے) کا جو ذکر ہے اس پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ ایک فلکیاتی مسئلہ کو غیر ضروری طور پر کفر و اسلام کا مسئلہ بنانا ہے۔ انھوں نے اسے قمری سال کو شمسی سال کے مطابق بنانے کے معنی میں لیا اور پھر کہا کہ اس معاملہ کا اسلام اور کفر سے کیا تعلق۔ مگر یہ اعتراض نسئ اور کبیسہ کے فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ قرآن کی مذکورہ آیت میں نسئ کو زیادۃ فی الکفر کہا گیا ہے نہ کہ کبیسہ کو۔ اگرچہ نسئ میں بھی مہینوں کو ہٹانے کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اور کبیسہ میں بھی مہینوں کو ہٹانے کا۔ مگر دونوں چیزیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ نسئ سے مراد حرام مہینہ کو اس کی جگہ سے ہٹا کر غیر حرام مہینہ کو وہاں رکھنا ہے۔ جب کہ کبیسہ کا مطلب یہ ہے کہ قمری مہینوں کے دنوں میں اضافہ کر کے (یا اس کو ہٹا کر) شمسی مہینوں کے برابر کر دیا جائے۔ اول الذکر ایک مذہبی معاملہ ہے۔ اور دوسرا

خالص شماریاتی معاملہ۔

ابراہیمی شریعت میں سال کے چار مہینے (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب) حرام مہینے قرار دیے گئے تھے۔ ان مہینوں میں لڑائی اور خوں ریزی مطلق طور پر ممنوع تھی۔ بعد کے زمانہ میں جب قبائل عرب میں سرکشی پیدا ہوئی تو انھوں نے اس قانون کی پابندی سے بچنے کے لئے نسئی کا طریقہ ایجاد کیا۔ نسئی کے لفظی معنی ہیں ہٹانا، چنانچہ جب کوئی قبیلہ کسی وجہ سے دوسرے قبیلہ پر چڑھائی کرنا چاہتا اور وہ حرام مہینہ ہوتا تو قبیلہ کا سردار یہ اعلان کر دیتا کہ امسال ہم نے فلاں مہینہ کو ہٹا دیا ہے۔ مثلاً محرم کو حرام مہینوں سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا ہے اور صفر کو اس کی جگہ سے ہٹا کر وہاں محرم کا مہینہ رکھ دیا ہے۔ یہ نسئی ہے اور اسی کو قرآن میں زیادۃٌ فی الکفر کہا گیا ہے۔

۱۔ کبیسہ اس کے برعکس ایک خالص کلینڈر کا معاملہ ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ شمسی گردش کے مطابق سال ¼ ۳۶۵ دن کا ہوتا ہے۔ جب کہ ہمارا سال ۳۶۵ دن کا شمار ہوتا ہے۔ یہ ¼ دن جمع ہو کر چوتھے سال ۳۶۶ دن بن جاتے ہیں۔ سال کبیسہ اس سال کو کہتے ہیں جو ۳۶۶ دن کا ہو۔ اس بنا پر ہر چوتھے سال شمسی کلنڈر میں فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا کر دیا جاتا ہے تاکہ سال کے ایام برابر کیے جا سکیں۔

سال کبیسہ چونکہ ہمیشہ چار سال پر پیش آتا ہے، اس لئے اس کی سادہ پہچان یہ ہے کہ اس کا عدد ٹھیک چار پر برابر برابر تقسیم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ۱۹۸۰، ۱۹۸۴ وغیرہ۔ یہ وہی چیز ہے جس کو انگریزی میں لوند کا سال (Leap Year) کہا جاتا ہے۔

۲۔ کبیسہ کی دوسری صورت وہ ہے جو قمری مہینوں کے ساتھ پیش آتی ہے۔ ۳۵۴ دنوں کا قمری سال شمسی سال سے ۱۱ دن کم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے دونوں کے درمیان ہر ۳۳ سال میں ایک سال کا اور ہر ایک صدی میں ۳ سال کا فرق ہو جاتا ہے۔ اس فرق کو ختم کرنے کے لئے کچھ قوموں نے دنوں کے اضافہ (Intercalation) کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ ہر سال قمری مہینوں میں ایک ایک دن کا اضافہ کر کے سال میں گیارہ دن بڑھا لیتے ہیں اور اس طرح قمری کلینڈر کو شمسی کلینڈر کے مطابق کر لیتے ہیں۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام میں جو چیز منع کی گئی ہے وہ سادہ طور پر صرف مہینوں کی تبدیلی نہیں ہے بلکہ خدا کے حرام کو حلال کرنے کے لئے مہینوں میں تبدیلی ہے۔ گویا اصل برائی حرام و حلال کے قوانین کو بدلنا ہے نہ کہ محض مہینوں کو (کیلنڈر کی درستگی کے لئے) بدلنا۔

کائناتی منصوبہ بندی

موجودہ زمانہ میں آواز کی رفتار سے زیادہ تیز چلنے والے ہوائی جہاز بنائے گئے ہیں۔ یہ جہاز بننے کے بعد جب امریکہ میں اڑائے گئے تو معلوم ہوا کہ وہ انسانی صحت کے لئے خطرہ ہیں۔ کیونکہ ان کی وجہ سے ہوا میں گیسوں کا قیمتی تناسب بدل جاتا ہے۔ چنانچہ امریکہ میں اس قسم کے جہازوں کی پرواز پر پابندی لگادی گئی۔

یہی معاملہ انسان کے تمام منصوبوں کا ہے۔ آدمی ایک گھر بناتا ہے مگر جب وہ اس میں رہنا شروع کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں فلاں فلاں کمی رہ گئی۔ وہ سڑکیں اور لائنیں بچھاتا ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ ضرورت کے مطابق کرنے کے لئے اس میں فلاں فلاں ترمیم کی ضرورت ہے۔ اسی طرح انسانی تمدن کے ہر شعبہ میں ترمیم و اصلاح کا کام مسلسل جاری رہتا ہے

یہ انسانی تعمیرات کا حال ہے مگر کائنات کے عظیم کارخانے کا معاملہ اس سے سراسر مختلف ہے۔ کائنات میں بے شمار چیزیں ہیں ——— ستارے، زمین، معدنیات، پہاڑ، عرقیات، گیسیں، درخت، جانور، روشنی، حرارت، کشش، انسان وغیرہ۔ یہ چیزیں بے شمار صورتوں میں وسیع کائنات کے اندر پھیلی ہوئی ہیں۔ مگر وہ اول روز سے انتہائی کامل صورت میں موجود ہیں۔ ان کے خالق کو انھیں پیدا کرنے کے بعد دوبارہ نظر ثانی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

سورج اور زمین کا فاصلہ؛ معدنیات میں جواہر کی ترکیب، پانی اور ہوا میں گیسوں کا تناسب درخت اور پودوں کی نشوونما کا اصول، حیوان اور انسان کا جسمانی ڈھانچہ، غرض ہر چیز اول روز سے کامل اور مکمل ہے۔ کسی چیز میں بھی ادنیٰ نظر ثانی کی ضرورت نہیں۔ ہر چیز عین ویسی ہے جیسا کہ فی الواقع اسے ہونا چاہئے۔

یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ جس ہستی نے کائنات کو بنایا ہے وہ قادر مطلق ہے اور اسی کے ساتھ عالم الغیب بھی ——— مکمل قدرت اور غیب سے کامل آگہی کے بغیر ایسا معیاری منصوبہ بنانا ممکن نہیں جس میں کبھی نظر ثانی کی ضرورت پیش نہ آئے۔

اس دن کیا ہوگا

خدا ہر چیز کا مالک ہے۔ دنیا میں کسی کو جو کچھ ملتا ہے خدا کے دئے سے ملتا ہے۔ خدا کے سوا کسی کے پاس کوئی چیز ہی نہیں جو وہ کسی کو دے سکے۔ ایسی حالت میں اگر کچھ لوگ ایسا کریں کہ ایک شخص کو جائز طور پر ملی ہوئی چیز کو اس سے چھیننے لگیں تو گویا وہ خدا کے دئے کو چھین رہے ہیں، وہ خدا کے منصوبہ کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔

دنیا میں ایک شخص کو مکان ملے مگر کچھ لوگ اس کو بے گھر کرنے کی سازشیں کریں۔ اس کی معاش کا جائز انتظام ہو مگر لوگ اس کی معاشیات کو تباہ کرنے پر اتر آئیں۔ اس کو عزت کی زندگی حاصل ہو مگر لوگ اس کو بے عزت کرنے کی کارروائیاں کریں۔ وہ سکون و عافیت کے ساتھ اپنے ماحول میں رہ رہا ہو مگر لوگ اس کو جھوٹے مقدمات میں الجھا کر اس کے سکون کو غارت کرنے لگیں۔ ایسا ہر واقعہ خدا کے انتظام میں مداخلت ہے۔ یہ بے اختیار مخلوق کا ایسے خالق سے لڑنا ہے جو تنہا اور مکمل طور پر ہر قسم کا اختیار رکھتا ہے۔

ایسے واقعات کا مطلب یہ ہے کہ —— خدا نے چاہا مگر بندوں نے نہ چاہا۔ خدا نے اپنے فیصلہ کے تحت تقسیم رزق کا ایک انتظام کیا مگر بندے اس تقسیم کو ماننے پر راضی نہ ہوئے۔ خدا کے مقابلہ میں بندوں کی یہ سرکشی موجودہ دنیا میں بظاہر کامیاب نظر آتی ہے۔ مگر یہ کامیابی صرف اس لئے ہے کہ موجودہ دنیا میں لوگوں کو امتحان کی آزادی حاصل ہے، جیسے ہی امتحان کی مدت ختم ہوگی، آدمی اپنے آپ کو اتنا بے زور پائے گا کہ اس کے پاس الفاظ بھی نہ ہوں گے کہ وہ کسی کے خلاف بولے، اس کے پاس دل بھی نہ ہوگا کہ کسی کو ملیامیٹ کرنے کا منصوبہ بنائے۔

موجودہ دنیا میں انسان کو آزادی حاصل ہے۔ یہاں کسی کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ خدا کے چاہے کو باطل کرے، وہ خدا کے تقسیم رزق کو کھنڈت کرنے کی کوشش کرے۔ مگر ایسے لوگوں کا حال اس وقت کیا ہوگا جب امتحان کی موجودہ آزادی ختم ہو چکی ہوگی۔ جب وہی ہوگا جو خدا چاہے اور وہ نہ ہو سکے گا جو خدا نہ چاہے، اس روز خدا کہے گا —— میں دیتا ہوں جس کو چاہوں، اب جس کو کرنا ہے میرے چاہے کو باطل کرے۔

خود پسندی خدا کو پسند نہیں

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نیا کرتا پہنا۔ میں گھر میں چل رہی تھی اور کپڑے کی طرف دیکھتی جاتی تھی۔ اتنے میں میرے والد ابوبکر میرے یہاں آئے۔ انھوں نے پوچھا تم کیا دیکھ رہی ہو، خدا تمھاری طرف دیکھنے والا نہیں۔ میں نے کہا، کیوں، ۔ انھوں نے کہا۔ "کیا تم کو نہیں معلوم کہ بندے کے اندر جب زینت دنیا کی وجہ سے عجب (خود بینی) پیدا ہوجاتی ہے تو اس کا خدا اس سے ناراض ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس زینت کو چھوڑ دے۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے وہ کپڑا اتارا اور اس کو صدقہ کردیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا امید ہے کہ یہ تمھارے لئے کفارہ بن جائے (کنز العمال جلد ۸)

درمیانی انداز کا کپڑا پہنو

حضرت وقدان تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے سنا۔ ان سے ایک آدمی نے دریافت کیا تھا کہ میں کپڑوں میں سے کون سا کپڑا پہنوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایسا کپڑا پہنو کہ نادان لوگ تمھاری تحقیر نہ کریں اور سنجیدہ لوگ تم کو سخت سست نہ کہیں۔ آدمی نے پوچھا کہ وہ کپڑا کون سا ہے۔ انھوں نے جواب دیا وہ کپڑا جس کی قیمت ۵ درہم اور دس درہم کے بیچ میں ہو۔ (سمعت ابن عمر وسألہ رجل ما البس من الثیاب؟ قال: ما لا یزدریك فیه السفهاء ولا یعتبك به الحلماء، قال: ما هو؟ قال: ما بین الخمسة الی العشرین درهما، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم)

دسترخوان پر اپنے قریب کی پلیٹ سے کھانا

حضرت عمرو بن ابی سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا۔ تو میں پیالہ کے ہر طرف سے ہاتھ بڑھا کر گوشت لینے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر کہا جو تمھارے قریب ہے اس میں سے کھاؤ (کل مما یلیك، کنز العمال جلد ۸)

اللہ اپنے نبی سے کس چیز پر راضی ہوا

حضرت عطار خراسانی تابعی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے گھر دیکھے ہیں۔ وہ کھجور کی ٹہنیوں کے تھے۔ ان کے دروازوں پر ٹاٹ کے پردے پڑے ہوئے تھے جو کالے بال سے تیار کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی کی طرف سے مدینہ کے حاکم کے پاس خط آیا جس میں مسجد نبوی کی نئی تعمیر کا حکم تھا اور یہ ہدایت دی گئی تھی کہ ازواج رسول کے حجرے توڑ کر مسجد نبوی میں داخل کر دئے جائیں۔ اس حکم کو معلوم کرکے مدینہ کے بہت سے لوگ رو پڑے۔ حضرت ابوامامہ انصاری نے کہا کاش کہ یہ حجرے اسی طرح چھوڑ دئے جاتے اور گرائے نہ جاتے تاکہ لوگ بڑی بڑی عمارتیں بنانے سے رک جاتے۔ اور وہ دیکھ

لیتے کہ اللہ اپنے نبی سے کس چیز پر راضی ہوا حالانکہ دنیا کے خزانوں کی چابیاں اس کے ہاتھ میں تھیں (لیتھا تترکت فلم تھدم حتی یقص الناس عن الھنار ویرد اما رضی اللہ لنبیہ ومفاتیح خزائن الدنیا بیدہ، طبقات ابن سعد جلد ۸)

بیٹی کے نکاح کے لیے غریب دیندار کو پسند کرنا

حضرت ابوالدرداء انصاری کی ایک لائق لڑکی تھی جس کا نام درداء تھا۔ یزید ابن معاویہ نے درداء سے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ابوالدرداء نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ایک عام مسلمان نے درداء سے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ابوالدرداء نے اس کو قبول کر لیا اور اپنی بیٹی کا اس سے نکاح کر دیا۔ لوگوں میں اس بات کا چرچا ہوا کہ امیر معاویہ کے لڑکے نے ابوالدرداء کے یہاں پیغام دیا مگر اس کو انھوں نے رد کر دیا اور کمزور مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پیغام دیا تو اس کو انھوں نے قبول کر لیا اور اس کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہ دی۔ حضرت ابوالدرداء نے اس کو سنا تو کہا۔ اس رشتہ میں میں نے درداء کا لحاظ کیا۔ تمھارا کیا خیال ہے۔ جب درداء کے سرہانے غلاموں کی قطار کھڑی ہوتی اور وہ اپنے آپ کو ایسے گھر میں پاتی جس کو دیکھ کر آنکھیں چکا چوند ہوں تو ایسے وقت میں اس کا دین کہاں رہ جاتا (این دینھا منھا یومئذ، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم)

سکھ کا راز قناعت ہے

حضرت سعد نے اپنے بیٹے سے کہا: اے میرے بیٹے، جب تم مال طلب کرو تو اس کو قناعت کے ساتھ طلب کرو۔ کیونکہ جس کے اندر قناعت نہ ہو مال اس کے لئے کافی نہیں ہو سکتا (اذا طلبت الغناء فاطلبہ بالقناعۃ فانہ من لم یکن لہ قناعۃ لم یغنہ مال، کنز العمال جلد ۲)

ہر آدمی یا جنت کی طرف جا رہا ہے یا دوزخ کی طرف

مسلم بن بشیر کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ اپنی بیماری میں روئے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اے ابو ہریرہ کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے۔ انھوں نے کہا: میں تمھاری اس دنیا کے لئے نہیں روتا۔ بلکہ میں تو اس لئے روتا ہوں کہ میرا سفر لمبا ہے اور زاد راہ کم ہے۔ میں نے ایک ایسے ٹیلہ پر صبح کی ہے جو جنت یا دوزخ کی طرف اتر رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے ان دونوں میں سے کس طرف چلایا جائے گا (بکی ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ فی مرضہ فقیل لہ ما یبکیک یا اباھریرۃ، قال اما انی لا ابکی علی دنیاکم ھذہ ولکنی ابکی لبعد سفری وقلۃ زادی ۔ اصبحت فی صعود مھبطۃ علی جنۃ ونار فلا ادری الی ایھما یُسلک بی،

طبقات ابن سعد جلد ۴)

آخرت کے بدلے دنیا

ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب ویشترون بہ ثمنا قلیلا اولئک ما یاکلون فی بطونہم الا النار ولا یکلمہم اللہ یوم القیامۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم۔ اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالہدی والعذاب بالمغفرۃ فما اصبرہم علی النار
(البقرہ ۱۷۵-۱۷۴)

جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے میں تھوڑی قیمت حاصل کرتے ہیں، وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھرتے ہیں۔ اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دکھ بھرا عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور نجات کے اوپر عذاب کو ترجیح دی۔ وہ کس قدر جری ہیں آگ کے اوپر۔

یہود کے علمار آسمانی کتابوں کا علم رکھتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی دعوت اٹھائی تو وہ اپنے علم کی بنا پر سمجھ گئے کہ یہ خالص حق کی دعوت ہے۔ مگر اس کے باوجود انھوں نے اس کا اقرار نہ کیا۔ ان میں سے بہت لوگ آپ کے مخالف بن کر کھڑے ہو گئے۔ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کی دعوت کو ماننے میں انھیں اپنی دنیا لٹتی ہوئی نظر آتی تھی۔

ایک عرصہ کی روایات کے نتیجہ میں قوم کے اندر ان کی بڑائی قائم ہو چکی تھی۔ دینی پیشوائی کے نام پر وہ عوام کا مرجع بنے ہوئے تھے۔ جب بھی کوئی شخص دینی جذبہ سے کوئی رقم خرچ کرتا تو وہ اس کو انھیں علمار کو یا ان کے ادارہ کو دیتا۔ ایسی حالت میں علمار یہود کو محسوس ہوا کہ رسول اللہ کو رسول ماننے کے بعد یہ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ اس میں انھیں اپنی حیثیت کی نفی نظر آئی۔ انھوں نے شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سوچا کہ جب ہم یہ اعلان کر دیں گے کہ حق وہ ہے جس کو محمد بن عبد اللہ پیش کر رہے ہیں تو اس کے بعد یہ ہوگا کہ جو لوگ حق کے نام پر ہماری طرف راغب ہیں وہ محمد بن عبد اللہ کی طرف راغب ہو جائیں گے اور ہماری کوئی قیمت لوگوں کے درمیان باقی نہ رہے گی۔

اللہ کی نظر میں یہ بہت بڑا جرم ہے۔ یہ جنت کے بدلے جہنم کو ترجیح دینا ہے۔ ایسا آدمی آخرت میں اسی چیز کو پائے گا جس کو اس نے دنیا میں اپنے لئے پسند کیا تھا۔ آخرت میں خدا اس کو نظر انداز کر دے گا جس طرح دنیا میں اس نے خدا کو نظر انداز کیا تھا۔ اللہ اس کی طرف نہ دیکھے گا، کیونکہ اس نے اللہ کی طرف نہیں دیکھا۔ کیسا عجیب انجام ہے جس طرف یہ لوگ چلے جا رہے ہیں۔

اخلاص کافی نہیں

ہرمزان (یا ہرمز) قدیم ایرانی سلطنت کا ایک فوجی سردار تھا۔ جنگ قادسیہ میں وہ ایرانیوں کی طرف سے مسلمانوں سے لڑ رہا تھا۔ اس جنگ میں جب اس کو شکست ہوئی تو وہ بھاگ کر خوزستان آیا اور یہاں اپنی فوجیں جمع کر کے ایران کے اس سرحدی علاقہ پر اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔

مسلم فوج نے کوفہ و بصرہ سے نکل کر اس پر حملہ کیا۔ ہرمزان کو شکست ہوئی اور اس نے جزیہ ادا کرنے کی شرط پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ مگر موقع پاتے ہی اس نے بغاوت کر دی۔ دوبارہ مسلم فوج آئی۔ مقابلہ ہوا جس میں ہرمزان کو شکست ہوئی۔ ہرمزان نے ایک نئے مقام پر پناہ لی۔ جس کا نام رام ہرمز تھا۔ اس نے پھر جزیہ کی شرط پر صلح کی پیش کش کی۔ جس کو مسلمانوں نے منظور کر لیا۔ مگر ہرمزان نے کچھ عرصہ بعد دوبارہ بغاوت کر دی۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کی سرکردگی میں اسلامی فوج نے اس پر حملہ کیا۔ ہرمزان کو شکست فاش ہوئی۔ اس کا شہر تشتر مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ ہرمزان تشتر کے قلعہ میں محصور ہو گیا۔

ہرمزان نے دیکھا کہ بہت جلد مسلمان اس کے قلعہ پر قابض ہو جائیں گے، اس نے مسلمانوں کے سردار کے پاس یہ درخواست بھیجی کہ میں اس شرط پر اپنے آپ کو تمھارے سپرد کرنے کے لئے تیار ہوں کہ مجھ کو خلیفہ عمر کی خدمت میں بھیجا جائے اور میرے معاملہ کو انھیں کے فیصلہ پر چھوڑ دیا جائے۔

چنانچہ ہرمزان کو انس بن مالک اور دوسرے لوگوں کی نگرانی میں مدینہ لایا گیا۔ حضرت عمر نے ہرمزان سے کہا کہ تم نے بار بار بدعہدی کی ہے اور بدعہدی کی سزا تم جانتے ہو کہ قتل ہے۔ ہرمزان نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ آپ میری بات سنے بغیر ہی مجھے قتل نہ کر دیں۔ حضرت عمر نے کہا کہ نہیں، تمھاری بات ضرور سنی جائے گی، اس کے بعد ہرمزان نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر اس نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ آپ مجھے پانی پینے کی حالت میں قتل نہ کر دیں، حضرت عمر نے کہا نہیں۔ تم اندیشہ نہ کرو۔ جب تک تم پانی نہ پی لو گے، تم کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ ہرمزان نے اس کے فوراً بعد پیالہ کا پانی زمین پر گرا دیا اور کہا کہ آپ مجھے اب قتل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آپ اس پانی پینے تک کے لئے مجھے امان دے چکے ہیں۔

حضرت عمر نے یہ سن کر کہا: تو جھوٹ بولتا ہے۔ ہم نے تو تجھ کو امان نہیں دی ہے اور تو قتل

کیا جائے گا۔ انس بن مالک فوراً کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے کہا: امیرالمومنین، ہرمز صحیح کہتا ہے۔ آپ کہہ چکے ہیں کہ جب تک تم پانی نہ پی لوگے تم قتل نہ کئے جاؤ گے اور پانی اس نے پیا نہیں۔ حضرت عمر اگرچہ انس بن مالک کی دلیل سے مطمئن نہ تھے۔ مگر معاملہ کی نزاکت کی بنا پر خاموش ہو گئے۔

اب ہرمزان نے دوسری ہوشیاری یہ کی کہ کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان بن کر مدینہ میں رہنے لگا اور عمومی اسلامی قاعدہ کے مطابق دو ہزار دینار سالانہ کا وظیفہ بھی بیت المال سے حاصل کر لیا۔

انھیں دنوں ایک ایرانی غلام ابولولو فیروز مدینہ میں رہتا تھا۔ یہ مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ ہرمزان اور ابولولو فیروز دونوں مسلمانوں سے اس بات پر ناراض تھے کہ انھوں نے ایران کی کیانی عظمت کو مٹا دیا اور ان کے قومی فخر کا خاتمہ کر دیا۔ اس مشترک جذبہ نے دونوں کو ایک دوسرے سے قریب کر دیا۔ ان میں رازدارانہ باتیں ہونے لگیں۔ کیانی عظمت کو واپس لانے کے بارے میں وہ اپنے خواب کو واقعہ نہیں بنا سکتے تھے۔ اپنے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وہ مسلمانوں کی تخریب کے منصوبے بنانے لگے۔

جلد ہی اس کا ایک موقع انھیں میسر آگیا۔ ابولولو فیروز ایک روز مدینہ کے بازار میں تھا کہ اس کی ملاقات خلیفہ عمر سے ہوگئی۔ اس نے کہا اے امیرالمومنین، میرا آقا مغیرہ مجھ سے بہت زیادہ محصول لیتا ہے، آپ اس کو کم کرا دیجئے۔ حضرت عمر نے پوچھا کتنا۔ ابولولو نے کہا دو درہم روز۔ حضرت عمر نے کہا تم کیا کام کرتے ہو۔ اس نے کہا کہ آہنگری، نقاشی اور نجاری۔ حضرت عمر نے کہا کہ جب تم اتنے ہنر جانتے ہو تو پھر یہ رقم تمھارے لئے زیادہ نہیں ہے۔ ابولولو کو یہ بات سخت ناگوار گزری۔ کیونکہ حضرت عمر نے مذکورہ معاملہ میں ابولولو کے بجائے مغیرہ بن شعبہ کی حمایت کی تھی۔

اس کے بعد حضرت عمر نے ابولولو سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم ایسی چکی بنانا جانتے ہو جو ہوا کے زور سے چلتی ہے۔ تم مجھ کو بھی ایسی ایک چکی بنا دو۔ ابولولو نے جواب دیا کہ اچھا۔ میں آپ کے لئے ایسی چکی بناؤں گا جس کی آواز مشرق و مغرب کے لوگ سنیں گے۔

اب ہرمز اور ابولولو کے خواب کی تکمیل کا وقت آگیا۔ دونوں نے خفیہ سازش کر کے زہر میں بجھا ہوا ایک خنجر تیار کیا۔ اس کے بعد ابولولو ایک روز فجر کے وقت اندھیرے میں مدینہ کی مسجد میں داخل ہوا۔ اس کی آستین میں مذکورہ خنجر چھپا ہوا تھا۔ جب نماز کھڑی ہوئی تو وہ صف اول میں شامل ہو گیا۔ حضرت عمر نے امامت کے مقام پر کھڑے ہو کر نماز شروع کی تو ابولولو اچانک تیزی سے صف سے نکلا اور حضرت عمر پر پے بہ پے چھ وار کئے۔ حضرت عمر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بعد کو اسی میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

حقیقت پسند بنئے

موجودہ زمانہ کے مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری ان کی منفی ذہنیت ہے۔ وہ دنیا کی تمام قوموں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ وہ غیر اقوام کی تمام کارروائیوں کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف دشمنی کی بنا پر کی گئی ہیں۔ اس منفی ذہن نے ان کی پوری سوچ کو غیر حقیقت پسندانہ بنا دیا ہے۔ آپ درخت کے نیچے ہیں اور اوپر سے پکا ہوا پھل آپ کے سر پر گرپڑتا ہے، اب اگر آپ یہ سوچیں کہ درخت نے آپ کی ضد میں آپ کے سر پر اپنا پھل گرایا ہے تو کبھی آپ معاملہ کا صحیح حل تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔

مثال کے طور پر امریکا فلسطینی مسلمانوں کے مقابلہ میں اسرائیلی یہودیوں کا ساتھ دیتا ہے۔ تمام دنیا کے مسلمان اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ امریکا مسلمانوں کا دشمن ہے اور اس دشمنی کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن کا ساتھ دے رہا ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ یہ دنیا مفادات کی دنیا ہے۔ امریکہ اس لئے اسرائیل کا ساتھ دیتا ہے کہ اس سے اس کا مفاد وابستہ ہے نہ کہ محض کسی کی ضد یا دشمنی کی وجہ سے۔

اسرائیل کی مدد سے امریکہ دو طرفہ مفاد حاصل کر رہا ہے۔ ایک یہ ہے کہ اس طرح وہ تیل پیدا کرنے والے خلیجی ممالک کو مسلسل دباؤ کی حالت میں رکھے ہوئے ہے۔ اس صورت حال کی بنا پر یہ ممالک مجبور ہیں کہ وہ امریکہ سے امریکہ کی شرائط پر معاملہ کریں نہ کہ خود اپنی شرائط پر۔

دوسرا فائدہ کاروباری فائدہ ہے۔ موجودہ زمانہ میں ترقی یافتہ ملکوں کا ایک نہایت محفوظ بزنس یہ ہے کہ وہ کمزور یا غیر ترقی یافتہ ممالک کو امداد کے نام پر قرض دیں اور اس پر ان سے سود وصول کریں۔ امداد کی رقم کی واپسی تو قسطوں میں ہوتی ہے مگر سود کی رقم ہر سال پوری کی پوری ادا کی جاتی ہے۔ یہ قرضے ترقیاتی کاموں میں بھی دئے جاتے ہیں مگر ان کی سب سے بڑی مد جدید ہتھیاروں کی خریداری ہے۔ ترقیاتی قرضے تو دوسرے ملکوں سے بھی ملتے ہیں مگر جنگی ہتھیاروں کی تجارت امریکہ کی اجارہ داری ہے۔ اسرائیل اور عربوں میں مسلسل جنگ کی حالت امریکہ کو موقع دے رہی ہے کہ وہ اسرائیل کے ہاتھ قیمتی ہتھیار قرض کی بنیاد پر فراہم کرے اور اس پر اس سے بھاری سود وصول کرے۔ چنانچہ ایک اقتصادی رپورٹ کے مطابق اسرائیل امریکی قرضوں پر سود کی جو رقم ادا کرتا ہے اس کی سالانہ مقدار ۹۱۰ ملین ڈالر ہے۔ عرب ممالک امریکہ سے مہنگے داموں جو ہتھیار خریدتے ہیں ان کی مقدار اس کے علاوہ ہے۔

کہاں سے کہاں تک

لندن کے برٹش میوزیم میں جو نادر چیزیں محفوظ ہیں ان میں سے ایک سونے کا وہ سکہ ہے جو قدیم انگلینڈ کے علاقہ مرشیا (Mercia) کے بادشاہ اوفا ریکس (Offa Rex) کے زمانہ میں ڈھالا گیا تھا۔ اس بادشاہ کا زمانہ ۷۹۶ — ۷۵۷ ہے۔ اس سکہ کی شکل بالکل مسلمانوں کے دینار جیسی ہے۔ شاہ اوفا ریکس کے نام کے گرد اس پر ایک عربی فقرہ درج ہے جس میں سکہ ڈھالنے کی تاریخ (۷۷۴) اور کلمہ توحید دونوں صاف پڑھے جاتے ہیں۔ سکہ کے دوسری طرف بغداد کے دو سکہ گروں کے نام عربی رسم خط میں لکھے ہوئے ہیں۔

Charles Oman,
History of England before the Norman Conquest (1910)

برٹش میوزیم میں اس قسم کی ایک اور مثال موجود ہے۔ یہ نویں صدی کی ایک آئرش صلیب ہے جس کے مرکز میں شیشہ کے مسالہ پر کوفی حروف میں "بسم اللہ" لکھا ہوا ہے۔

Legacy of Islam, Compiled by Sir Thomas Arnold,
Oxford University Press London

آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں مسلمان صنعت و حرفت میں اتنا آگے بڑھے ہوئے تھے کہ دوسری قومیں اندھی تقلید کی حد تک ان کی پیروی کرتی تھیں (جیسا کہ موجودہ زمانہ میں برعکس صورت میں نظر آتا ہے) اس زمانہ میں یورپ کے حکمراں اپنے سکے ڈھالنے کے لئے بغداد کے کاریگر بلاتے تھے اور اپنے سکہ پر کلمہ توحید کو مونوگرام کے طور پر لکھتے تھے، نیز عربی زبان اور اسلامی تہذیب کا اس قدر غلبہ تھا کہ اس کی چھاپ نہ صرف سکہ جیسی چیزوں پر بلکہ خالص مذہبی نشانات پر بھی دکھائی دیتی تھی۔

یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلم ممالک کے مقابلہ میں مغرب کو جو صنعتی اور سائنسی فوقیت حاصل ہے وہی برعکس شکل میں کسی وقت مسلمانوں کو حاصل تھی۔ مسلمانوں نے بدویت اور شتربانی کے مقام سے آغاز کرکے ہجرت کے صرف دو سو برس بعد یہ حیثیت حاصل کرلی تھی کہ وہ دنیا کے امام بن گئے۔ ایران کے اصطخر، مصر کے ممفس اور یورپ کے روم کی جگہ اب دنیا کا تمدنی مرکز بغداد تھا۔

دور اول میں اسلام کو عالمی سطح پر پھیلانے میں مسلمانوں کو جو شاندار کامیابی حاصل ہوئی اس کا سبب احتجاج اور مطالبہ کی سیاست نہ تھی، بلکہ دنیا کے لئے ان کا رحمت اور برکت بن جانا تھا۔

خدا کی اس دنیا میں جو اصول کارفرما ہے وہ یہ ہے کہ جو اپنے کو نفع بخش ثابت کرے اس کو قیام اور استحکام حاصل ہو (و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض) مسلمان نفع بخشی کے اس معیار پر پورے اترے، یہی وجہ ہے کہ ان کو دنیا کی امامت حاصل ہوئی، وہ قوموں کے لئے مرجع تقلید بن گئے۔

"صحرائے عرب کے ایک کنارے مکہ کے گمنام مقام پر اسلام نے جنم لیا" ایک مستشرق لکھتا ہے "اور وہاں سے نکل کر اس نے قلیل عرصہ میں مشرق قریب اور مشرق وسطیٰ کو حیرت انگیز طور پر فتح کر لیا۔ اور پھر ایک طرف شمالی افریقہ کے راستے سے اسپین اور دوسری طرف ایران کے راستے سے چین کی سرحدوں تک جا پہنچا، مشرقی یورپ میں اسلام کی پیش قدمی کی آخری حد بوڈاپسٹ (ہنگری) تھی جہاں آج بھی دریائے ڈانوب کے کنارے "گل بابا" کا ترکی طرز کا مزار نشانی کا کام دے رہا ہے۔

اسی سیلاب کا کرشمہ تھا کہ وحشی عربوں نے ایک عالمی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ جہاں ایک طرف ان کی زبان اس وقت کی معلوم دنیا کے آخری کناروں تک پھیلتی چلی گئی، وہاں دوسری طرف انھوں نے نہ صرف اس زمانے کے انسانی علوم کو حاصل کیا اور ان سے فائدہ اٹھایا بلکہ انھیں ترقی بھی دی۔

ساتویں صدی عیسوی میں دمشق کی اموی خلافت نے عربوں کی عالمی سلطنت کی سیاسی اور اقتصادی بنیاد رکھی اور آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں عباسی خلافت جس کا پایۂ تخت بغداد منتقل ہو چکا تھا، تاریخ کی عظیم ترین تہذیب کو وجود میں لانے کا باعث بنی۔

اس تہذیب کے علم برداروں کا مقصد اشاعت اسلام تھا مگر انھوں نے ماحول کی ہر جائز چیز کو لیا اور اس سے اسلام کو تقویت پہنچائی، یونانی اور رومی تہذیب میں خاص چیز اس کے طبیعی علوم تھے جن سے عرب اور غیر عرب مسلمانوں کو نئی نئی تحقیقات کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ وہ طبیعیات، کیمیا، الجبرا اور سائنس میں ایسے شاندار نتائج تک پہنچے کہ آج تک ان علوم کی مختلف شاخوں میں سینکڑوں فنی اصطلاحات اپنے عربی الاصل ہونے کی یاد دلاتی ہیں۔ شروع میں وہ فلسفہ میں یونانیوں کے گویا شاگرد تھے مگر آخر میں وہ خود استاد بن گئے۔

فلکیات کے مطالعہ کے لئے مسلمانوں نے جگہ جگہ رصدگاہیں قائم کی تھیں اس سلسلہ میں اشبیلیہ کی رصدگاہ کے بارے میں ڈریپر نے لکھا ہے کہ مسلمانوں (Moors) کے اسپین سے ملک بدر ہو جانے کے بعد یہ رصدگاہ کلیسا کے گھنٹہ گھر میں تبدیل کر دی گئی کیونکہ اسپینی باشندے اس کے استعمال کا کوئی اور طریقہ جانتے ہی نہ تھے۔ جغرافیہ میں نویں صدی کے نصف اول میں خوارزمی اور اس کے شرکا کار نے معلوم کیا تھا کہ زمین کا محیط بیس ہزار میل اور اس کا نصف قطر ۶۵۰۰ میل ہے۔ یہ

صحت حیرت انگیز ہے۔ دنیائے اسلام میں یہ سرگرمیاں ایسے زمانے میں جاری تھیں جب کہ سارا کا سارا یورپ زمین کے چپٹی ہونے کا قائل تھا۔

Edward Mc Nall Burns, Western Civilization, P. 264

جہاں تک تہذیب اور کلچر کا تعلق ہے، تیرھویں صدی کے وسط تک اسلام دنیا کے تمام ملکوں کے مقابلہ میں سب سے آگے رہا ہے۔ اسپین میں عربوں نے پختہ بازار بنوائے اور ان میں رات کو روشنی کا انتظام کیا۔ ان میں جو دولت مند تھے وہ اپنے مکانوں کو پانی کے نلوں اور فواروں کی مدد سے ٹھنڈا رکھا کرتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں مسیحی یورپ کے شہروں میں لوگوں کو کیچڑ اور اندھیرے میں دھکے کھانے پڑتے تھے۔ مسلمانوں کے یہاں شفاخانے تھے، کتب خانے تھے، ایسی درس گاہیں تھیں جہاں دینیات سے لے کر طب تک ہر چیز پڑھائی جاتی تھی۔ دمشق، بغداد، قاہرہ اور قرطبہ میں لکڑی، لوہے، چاندی اور سوت کا ایسا اعلیٰ درجہ کا سامان بنتا تھا جو اسکینڈے نیویا تک کی دور دراز ریاستوں میں جاکر مہنگے داموں بکتا تھا۔ اس زمانہ میں یورپ کا ٹکنکل علم اور اس کی سائنس عرب مسلمانوں کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھی۔

علوم کی تمام شاخوں میں مسلمان اتنے آگے تھے کہ یورپ کے لئے ان کی تقلید کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ بریفالٹ نے لکھا ہے کہ "راجر بیکن نے عربی سائنس سیکھی تھی۔ نہ تو راجر بیکن کو اور نہ اس کے بعد اس کے کسی ہم نام کو یہ حق پہنچتا ہے کہ تجربی طریق کی ترویج کا سہرا اس کے سر باندھا جائے۔ راجر بیکن کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ مسیحی یورپ میں مسلم سائنس اور طریقہ کا مقلد اور مبلغ تھا۔ وہ یہ اعلان کرنے سے کبھی نہ تھکتا تھا کہ اس کے ہم عصروں کے لئے حقیقی علم تک رسائی حاصل کرنے کا کوئی راستہ عربی سائنس کے سوا نہیں ہے:

Briffault, The Making of Humanity.

بارھویں صدی کے آخر تک ابن رشد کو یورپ میں اس قدر مقبولیت ہوگئی اور اس کا فلسفہ راسخ عیسائیوں کے حق میں اتنا زبردست خطرہ بن گیا کہ ۱۲۱۰ء میں پیرس یونیورسٹی کونسل کو ارسطو کی طبیعی تاریخ اور اس پر لکھی ہوئی ابن رشد کی شرحوں کی تعلیم و تدریس کو ممنوع قرار دینا پڑا۔ اگرچہ ایک صدی بعد اسی یونیورسٹی کا یہ حال ہوا کہ اس نے اپنے فارغ التحصیل طلبہ کو حلف دینا شروع کر دیا کہ وہ صرف ان چیزوں کی تعلیم اور تدریس کریں گے جو ابن رشد کی شرح کے مطابق ارسطو کے خیالات سے ہم آہنگ ہو۔
(راشڈل، یونیورسٹیز، صفحہ ۳۶۸)

ابن رشد نے یورپ کے دماغ پر چار سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکمرانی کی اور اطالوی نشأۃ ثانیہ کی بنیادیں اسی نے رکھیں۔ کولٹن ابن رشد کی اثر انگیزی کا موازنہ موجودہ زمانے میں ڈارون کی اثر انگیزی سے کرتا ہے مگر اس موازنہ کے درست اترنے کے لئے ڈارونیت کو ابھی مزید تین سو سال تک زندہ رہنا ہوگا۔

سترھویں صدی کے آخر میں اسلام کی فوجی طاقت کو دھکا لگتا ہے اور اٹھارویں صدی میں یورپ کی فوج سائنس، مسلمان اقوام کے فن جنگ پر قطعی طور پر سبقت لے جاتی ہے۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک انگریزی دستہ نے ہندستان کے مسلم فرماں روا کی دس ہزار فوج کو شکست دی۔ کیونکہ مؤخرالذکر نے پچھلے ڈیڑھ سو سال میں نہ تو سامان جنگ میں اور نہ فن جنگ میں ترقی کا کوئی قدم آگے بڑھایا تھا۔ مسلمانوں کی زبردست سلطنتیں یورپی فوجوں کے حملہ کی تاب نہ لاکر پاش پاش ہوگئیں اور ایشیا اور افریقہ، جہاں اسلام کو غلبہ حاصل تھا یورپ کو غلبہ حاصل ہوگیا۔ یورپ میں فلسفہ، علم السنہ، علم آثار قدیمہ اور تاریخ تہذیب کے ذخیرے بڑھتے چلے گئے۔ ان سے بھی بڑھ کر یورپ کی ٹکنکل ایجادات کا وہ لامتناہی سلسلہ تھا جنھوں نے پوری زندگی کی کایا پلٹ دی۔ یورپ نے ان ایجادات کی مدد سے اسلامی مشرق کو پہلے اقتصادی طور پر اور اس کے بعد سیاسی طور پر غلام بنالیا۔ مشینی صنعت نے جدید طرز پر منظم یورپ کی مصنوعات سے اسلامی دنیا کے بازاروں کو، جو اس وقت تک قرون وسطیٰ کی حالت میں پڑے ہوئے تھے، اس طرح بھر دیا کہ مشرق کی ہاتھ سے بنی ہوئی مصنوعات ان مشینی مصنوعات کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر ختم ہوگئیں۔

اس تمام عرصہ میں اسلامی مشرق گہری نیند سوتا رہا۔ ہنگری نژاد ڈاکٹر عبدالکریم جرمانوس کے الفاظ میں "ابن خلدون کے بعد جس کا انتقال ۱۴۰۶ میں ہوا، اسلامی مشرق نے دنیا کے سامنے پہلے کی طرح اعلیٰ پیمانے کے تخلیقی کارنامے پیش نہیں کئے۔ اس کی صنعتیں زمانے سے پیچھے رہ گئیں۔ اس کی اقتصادی زندگی خام اجناس پیدا کرنے والی ابتدائی زرعی معیشت کی دیہی رومانی فضا میں کھوئی رہی۔ مسلمانوں کی درس گاہوں میں آج بھی وہی درسی کتابیں پڑھاتی ہیں جو ایک ہزار سال پہلے پڑھائی جاتی تھیں۔"

اٹھارھویں صدی کی ابتدا میں یورپی عالموں نے مشرق قدیم کے زیر زمین مدفون آثار اور اس کی ادبی یادگاروں کی تلاش شروع کی۔ وہ انھیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر باہر لائے اور دنیا کو ان سے متعارف کرایا۔ یہاں تک کہ آج اس کرہ زمین میں کوئی ایسا مخفی کونہ موجود نہیں ہے جس میں بسنے والے انسانوں

کی صحیح صحیح نسلی خصوصیات یورپی علمار کے ہاتھوں جمع کی ہوئی ہمیں پڑھنے کو نہ مل جائیں۔

ڈنمارک کے ماہر آثار قدیمہ نیوبر کو جب اٹھارھویں صدی کے نصف آخر میں یمن کے کتبات ملے تو عرب کا کوئی شیخ انھیں پڑھ کر سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اس کو ان کتبات کی نقلیں جرمنی کے شہر ریسکے میں بھیجنی پڑیں۔ جہاں سے فوراً ان کا صحیح حل بھیج دیا گیا۔ عرب کی تاریخ، عربی علم اللسان، عرب کا جغرافیہ اور عربی میں علوم دینیہ کی کتابیں یورپی علمار نے قابل اعتماد طریقہ پر چھاپیں اور بقول ڈاکٹر جرمانوس "آج بھی یورپ ہی وہ سرزمین ہے جہاں عرب، ایرانی اور ترک طلبہ یورپی استادوں کی زیر نگرانی اپنے کلچر کا خصوصی مطالعہ کرنے کے لئے آتے ہیں۔"

جہاں یورپ بغیر کسی بندش کے آزادانہ آگے بڑھتا رہا، اسلام کے حامل جمود میں مبتلا رہے۔ ایک وقت تھا کہ پادریوں اور راہبوں نے عربی ذرائع سے اپنا مسیحی علم کلام پڑھا تھا۔ ساتویں صدی ہجری میں موصل میں کمال الدین بن یونس اور دمشق میں عزالدین اربلی عیسائیت کے اتنے بڑے عالم تھے کہ عیسائی ان سے اپنے مذہب کی کتابیں پڑھتے تھے۔ وہ توریت اور انجیل کی اتنی اعلیٰ تعلیم دیتے تھے اور اس خوبی سے ان کی شرح کرتے تھے کہ اس زمانے کے عیسائی علمار بھی ایسی تعلیم نہ دے سکتے تھے۔ اس کے بعد جب زوال آیا تو یہ عالم ہوا کہ ترکوں کے اقتدار کے زمانہ میں مصر کے ایک شخص کو اپنے لڑکے کی تعلیم کے لئے ایک عیسائی راہب کو مقرر کرنا پڑا۔ آج بھی مسلمان نوجوان اعلیٰ تعلیم کے لئے مغربی یونیورسٹیوں میں داخلے لے رہے ہیں۔

بعد کے زمانے میں مشرق محض قدیم کتابوں کی خشک تشریحات اور ان کی نقلیں کرنے میں لگا رہا۔ اس نے اپنے آپ کو اس حد تک ماضی کے حوالے کر دیا کہ وہ اس کے اندر محدود ہو کر فرسودگی کی نذر ہو گیا۔ ایک زمانہ تھا کہ عباسی دور میں کاغذ سازی ایک گھریلو صنعت بن چکی تھی یا اب یہ حال ہوا کہ یورپ میں صدیوں تک چھاپہ خانوں میں کتابیں چھپتی رہیں اور اس کے بعد کہیں جاکر ۱۷۲۹ء میں ترکی کے شیخ الاسلام نے باقاعدہ فتوے کے ذریعے کتابوں کے چھاپہ خانہ کو عمل شیطانی کے الزام سے بری ہونے کا اعلان کیا۔ مسلمان جو کسی وقت علم طب کے امام تھے وہ چیچک کے ٹیکہ کو خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ حتیٰ کہ علی الاعلان کہا گیا کہ چوہوں اور بیماریاں پھیلانے والے دوسرے جانوروں کو مارنا دراصل اجنبیوں کا ایک بہانہ ہے تاکہ وہ مسلمانوں کے زنان خانوں میں داخل ہو کر ان کی عورتوں کی بے حرمتی کریں۔ انگریزی زبان کو شیطان کی زبان کہا گیا اور دو سو برس تک اس کا پڑھنا ممنوع رہا۔ اسلام کا دینیاتی نظام آج بھی ارسطو کی منطق پر مبنی ہے جس کو جدید دنیا کے علمار منطق کب کا رد کر چکے ہیں، ایک مستشرق کے الفاظ میں:

"منصور حلاج کی زندہ کھال کھینچی گئی کیونکہ اس نے اپنے اندر خدا کو پایا تھا۔ باب کو ۱۸۵۰ میں ایران میں اس لئے گولی سے مار دیا گیا کہ وہ اپنے آپ کو امام موعود سمجھتے تھے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے انکشاف کیا کہ مسیح اور کرشن کی روح ان کے اندر حلول کر گئی ہے۔ مگر یہ لوگ جو مابعد الطبیعیاتی دنیا میں اتنی بلند پروازی دکھا رہے تھے ان میں کوئی ایک بھی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جو انسانیت کو سائنٹفک علوم میں کوئی نیا طریقہ یا کوئی نئی دریافت دیتا۔"

جو قوم قدیم زمانہ میں سربلندی کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچی تھی، وہ موجودہ زمانہ میں تمام قوموں سے پیچھے کیوں ہو گئی۔ اس سوال کا جواب بالکل سادہ ہے۔ وہ یہ کہ موجودہ زمانہ میں اس نے اپنے آپ کو اور اپنی امکانیات کو استعمال ہی نہیں کیا۔

مسلمان پچھلے سو سال سے ان قوموں کے خلاف لڑائی بھڑائی میں مشغول ہیں جنھوں نے ان کے اوپر غلبہ حاصل کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کی ترقی کی اصل رکاوٹ دوسرے لوگ ہیں۔ اس لئے جب تک ان دوسروں کے اوپر قابو نہ پایا جائے، ترقی کی سمت میں اپنے سفر کا آغاز نہیں کیا جا سکتا۔ یہی ذہن ہماری ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس کی وجہ سے ابھی تک مسلمانوں کے درمیان ان کی تعمیر نو کا آغاز ہی نہیں ہوا۔ جب آپ کا ذہن یہ ہو کہ کچھ خارجی دشمن ہیں جو آپ کے راستہ کی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں تو ان دشمنوں کو ختم کرنے سے پہلے آپ کے اندر یہ ذہن ہی نہیں ابھرے گا کہ آپ کو اپنے راستہ پر اپنا سفر شروع کرنا چاہئے۔

امریکہ نے ۱۹۴۵ میں جاپان میں بم گرا کر اس کو تباہ کر دیا اور اس میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ جاپان کے اوپر امریکہ کا فوجی اور سیاسی قبضہ ہو گیا۔ جاپانی اگر امریکہ کو اپنے مصائب کا ذمہ دار ٹھہرا کر ان کے خلاف لڑائی جاری کر دیتے تو انھیں دوبارہ اپنے مستقبل کی طرف سفر کے لئے کوئی آغاز نہ ملتا۔ وہ بس سیاست کی شمشان بھومی پر قربانیاں دیتے رہتے۔ مگر انھوں نے امریکی قبضہ کو تسلیم کر لیا۔ اس کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ ان کو معلوم ہو گیا کہ اپنی تعمیر نو کا آغاز انھیں کہاں سے کرنا چاہئے۔ انھوں نے فوجی اور سیاسی میدان کو امریکہ کے حوالے کر کے دوسرے میدانوں میں یکسوئی کے ساتھ اپنی جدوجہد شروع کر دی۔ اس کے بعد جو واقعہ ہوا وہ یہ کہ صرف ۲۵ سال میں جاپانیوں کو نہ صرف دوسرے دائروں میں غلبہ حاصل ہو گیا بلکہ خود اس دائرہ میں بھی جس کو ابتداءً انھوں نے امریکہ کے حوالے کر دیا تھا۔

مسلمانوں کے ساتھ یہی واقعہ ڈیڑھ سو سال پہلے پیش آیا۔ مگر انھوں نے غالب قوموں

کی بالاتری کو تسلیم نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو اپنی تعمیر نو کا آغاز ہی نہ مل سکا۔ مسلمان تقریباً ڈیڑھ سو سال سے غیر اقوام سے ان میدانوں میں لڑ رہے ہیں جہاں انھوں نے اپنا غلبہ قائم کر رکھا ہے۔ دوسرے میدان جو خارجی غلبہ کے باوجود ابھی تک ان کے لئے کھلے ہوئے ہیں وہاں وہ اپنی قوتیں صرف نہیں کرتے۔ گویا جہاں موجودہ حالات میں آغاز ممکن ہے وہاں سے آغاز نہیں کرتے۔ اور جہاں سے آغاز ممکن نہیں ہے وہاں لاحاصل قربانیاں دے رہے ہیں۔ اس کا انجام وہی ہوا ہے جو ہو سکتا تھا —— وہ آج بھی اسی مقام پر پڑے ہوئے ہیں جہاں وہ ڈیڑھ سو سال پہلے تھے۔

تعارفی سٹ

اسلام کے تعارف پر ہم نے پانچ کتابوں کا ایک سٹ تیار کیا ہے جو مدارس میں ابتدائی اسلامی تعلیم کے لئے بھی مفید ہے اور اسلام کے عمومی تعارف کے لئے بھی۔ یہ سٹ حسب ذیل ہے۔

۱۔ سچا راستہ	ایک روپیہ پچاس پیسے
۲۔ دینی تعلیم	تین روپیہ
۳۔ حیات طیبہ	دو روپیہ پچاس پیسے
۴۔ باغ جنت	تین روپیہ
۵۔ نار جہنم	تین روپیہ

س تعارفی سٹ کو اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں شائع کرنے کے لئے جو لوگ کوئی تعاون کریں ہ انشاء اللہ خدا کے یہاں اس کا اجر پائیں گے۔

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

نغمۂ روح

مرتبہ
اندرجیت لال ایم اے

ردو کی چار سو سالہ (قلی قطب شاہ سے لے کر قتیل شفائی تک) ۸۰ شعراء کی روحانی غزلوں کا انتخاب

صفحات ۱۶۸۔ قیمت بیس روپیہ (رقم پیشگی بھیجنے پر ڈاک خرچ فری)

سلوچنہ پرکاشن، ڈی۔ ۱۴ گل مہر پارک، نئی دہلی ۱۱۰۰۴۹

احیاءِ اسلام

مولانا وحید الدین خاں

موجودہ زمانہ میں اسلام کو زندہ کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ اس سوال کے جواب میں پچھلی ایک صدی کے اندر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مگر ان کتابوں کی بنیاد پر اٹھنے والی تحریکیں، غیر معمولی ترقی اور مقبولیت کے باوجود، اصل مقصد میں ناکام رہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کتابوں کا جواب صحیح نہ تھا۔

احیاء اسلام جدید تاریخ کی پہلی کتاب ہے جس میں آپ اس سوال کا حقیقی اور مدلل جواب پائیں گے۔

الاسلام اور ظہور اسلام (مؤلفہ مولانا وحید الدین خاں) کے بعد احیاء اسلام کا مطالعہ آپ کے لئے نہایت ضروری ہے۔

الاسلام	عصری اسلوب میں قرآن و حدیث کی تشریح
ظہور اسلام	عصری علوم اور تاریخ کی روشنی میں اسلام کا مطالعہ
احیاء اسلام	اسلام اور عہد حاضر کا مطالعہ۔ اور مستقبل کا پروگرام

قیمت بارہ روپے

مکتبہ الرسالہ

جمعیۃ بلڈنگ ۔ قاسم جان اسٹریٹ ۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶

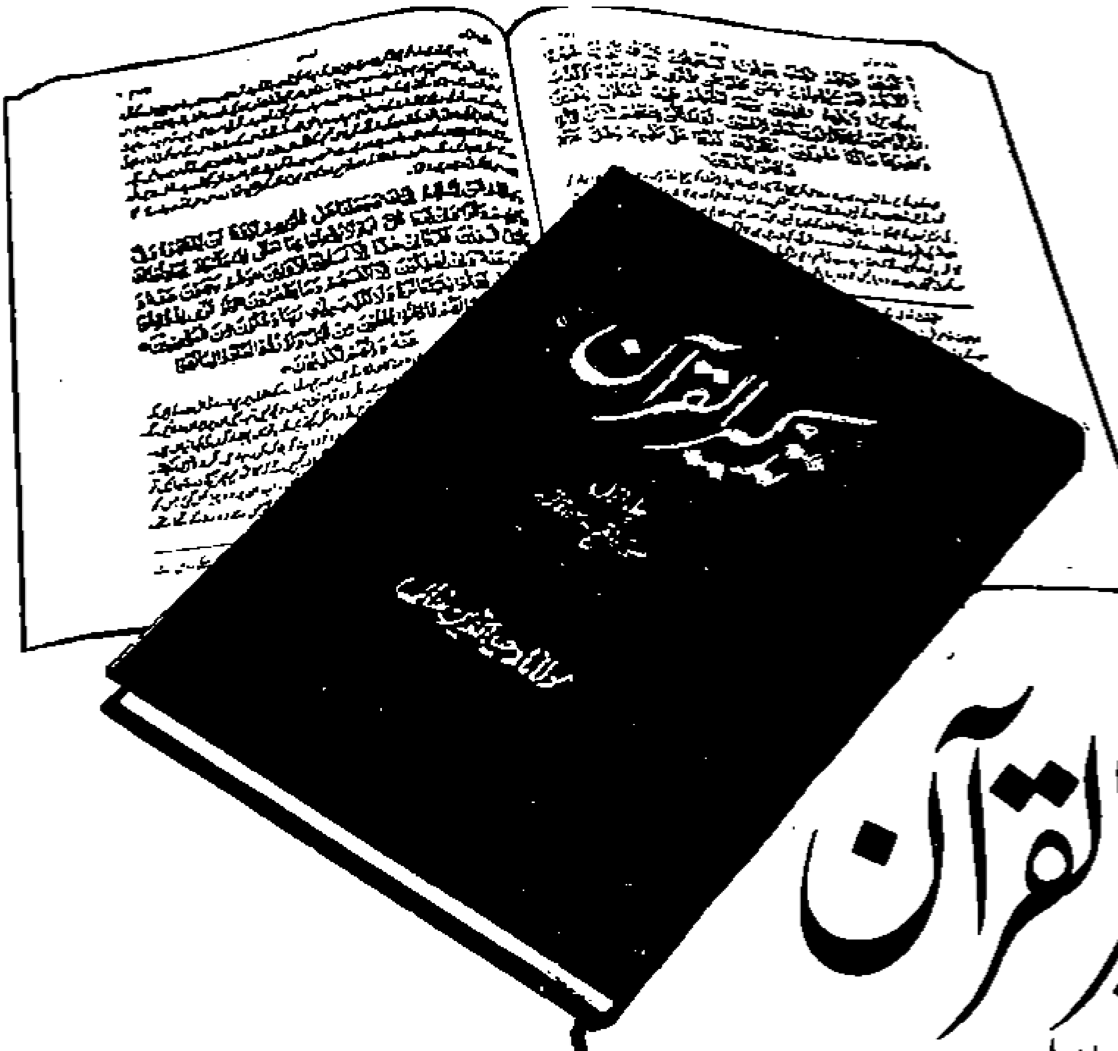

تذکیر القرآن

جلد اوّل

سورۃ فاتحہ — سورۃ توبہ

قرآن کی بے شمار تفسیریں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں۔ مگر تذکیر القرآن اپنی نوعیت کی پہلی تفسیر ہے۔ تذکیر القرآن میں قرآن کے اساسی مضمون اور اس کے بنیادی مقصد کو مرکز توجہ بنایا گیا ہے۔ جزئی تفصیلات اور غیر متعلق معلومات کو چھوڑتے ہوئے اس میں قرآن کے اصل پیغام کو کھولا گیا ہے اور عصری اسلوب میں اس کے تذکیری پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔ تذکیر القرآن عوام وخواص دونوں کے لئے یکساں طور پر مفید ہے۔ وہ طالبین قرآن کے لئے فہم قرآن کی کنجی ہے۔

ہدیہ مجلد: پچاس روپے

مکتبہ الرسالہ

جمعیۃ بلڈنگ — قاسم جان اسٹریٹ — دہلی ۱۱۰۰۰۶

ایجنسی : ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں، وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دل چسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکر کی اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت —— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کر کے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔ بشرطیکہ پرچے خراب نہ ہوئے ہوں۔

دوسری صورت —— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ ۱۳۵ روپے یا ماہانہ ۱۱ روپیہ ۲۵ پیسے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسئول نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

Regd. R.N. No. 28822/76 December 1982
Regd. D(DN) No. 532 Issue No. 73

AL-RISALA MONTHLY
Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi - 110 006 (India)
Telephone : 232231, 526851

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

۱-	تذکیر القرآن	۵۰—۰
۲-	الاسلام	۱۵—۰
۳-	مذہب اور جدید چیلنج	۱۵—۰
۴-	ظہور اسلام	۱۵—۰
۵-	دین کیا ہے ؟	۲—۰
۶-	قرآن کا مطلوب انسان	۵—۰
۷-	تجدید دین	۳—۰
۸-	اسلام دین فطرت	۳—۰
۹-	تعمیر [illegible]	[illegible]
۱۰-	[illegible]	۳—۰
۱۱-	مذہب اور سائنس	۵—۰
۱۲-	عقلیات اسلام	۳—۰
۱۳-	فسادات کا مسئلہ	۲—۰
۱۴-	انسان اپنے آپ کو پہچان	۱—۰
۱۵-	تعارف اسلام	۲—۵۰
۱۶-	اسلام پندرھویں صدی میں	۲—۰
۱۷-	راہیں بند نہیں	۳—۰
۱۸-	دینی تعلیم	۴—۰
۱۹-	ایمانی طاقت	۳—۰
۲۰-	اتحاد ملت	۳—۰
۲۱-	سبق آموز واقعات	۳—۰
۲۲-	اسلامی دعوت	۳—۰
۲۳-	زلزلۂ قیامت	۴—۰
۲۴-	سچا راستہ	۱—۰
۲۵-	نار جہنم	۳—۰
۲۶-	باغ جنت	۳—۰

مکتبہ الرسالہ دہلی ۶